علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

ذوالحجہ / محرم الحرام

جولائی 2024

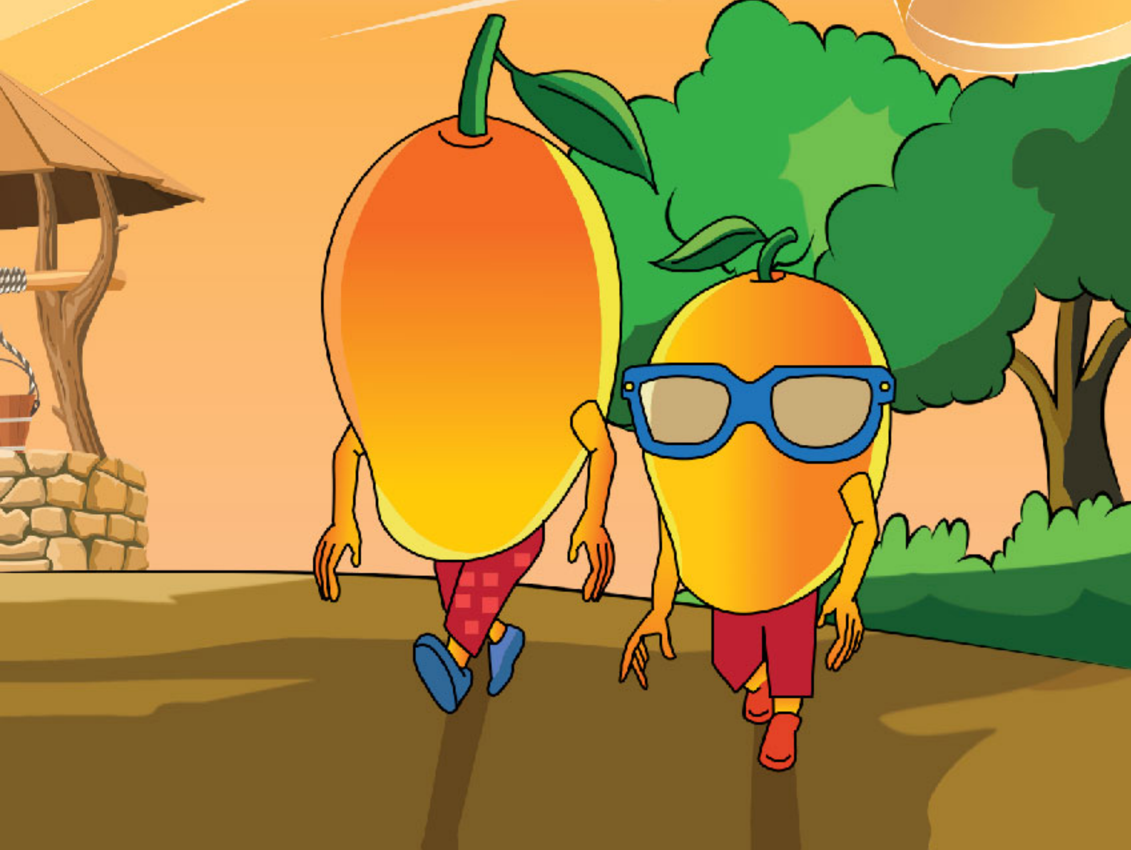

UNICS Products

UNICS PRODUCTS MAKES YOU UNIQUE

POSTER PAINTS

REGISTERS

CLIPBOARD

PLASTIC SCALE

SCOTCH TAPE

MASKING TAPE

UNLEASH YOUR CREATIVITY

OUR CONTACT DETAILS

Shop # 6 Fatima Manzil Opp Bank Al Habib, Karimabad, Karachi, Pakistan

+92 334 8648641

unicsproducts@gmail.com

پیغامِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ

عبد اللہ بن مسعود

(مفہوم آیت، از سورۂ اعراف:26)

”اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمھارے لیے لباس نازل کیا ہے جو تمھارے جسم کے اُن حصوں کو چھپا سکے، جن کا کھولنا بُرا ہے اور جو خوش نمائی کا ذریعہ بھی ہے۔“

عزیز ساتھیو! ہمارا لباس کیسا ہو؟ کپڑے ہمارے کس طرح کے ہوں؟ لباس میں کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟ یہی بات اِس مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھا رہے ہیں۔

پہلی بات ہمیں یہ بتائی گئی کہ لباس ہر اِنسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک انعام ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، اُسے اپنے لباس کی قدر کرنی چاہیے اور لباس مکمل پہننا چاہیے، جس کی آستینیں پوری ہوں اور قمیص بھی گھٹنوں تک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت اہتمام کے ساتھ انسان کے لباس کا ذکر فرمایا ہے۔

اب لباس کیسا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ہمیں بتا دیا کہ لباس میں جو سب سے اہم چیز ہے وہ یہ کہ لباس انسان کے جسم اور خاص اعضا (ستر) کو چھپانے والا ہو۔ دوسرا فائدہ یہ کہ لباس انسان کی زینت کا ذریعہ بنتا ہے۔ انسان مکمل لباس پہن کر مہذب اور شائستہ لگتا ہے، لہٰذا ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارا لباس ایسا ہو جو ہمارے اعضا اور جسم کو ڈھانپ سکے۔ ایسے لباس کو ہی اللہ تعالیٰ نے نعمت قرار دِیا ہے۔ اس کے برعکس اگر لباس نامکمل ہے یا اتنا باریک ہے کہ کپڑے پہننے کے بعد بھی جسم دکھائی دیتا ہو یا اتنا جسم سے چپکا ہوا ہے کہ جسم کے اعضا نمایاں ہوتے ہوں تو ایسا لباس تو حقیقت میں لباس نہیں ہے، اس لیے کہ ہم نے ابھی آیتِ مبارکہ میں یہ بات پڑھی ہے نا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے لباس کو لباس قرار دیا ہے اور اپنی نعمت بتایا جو جسم کو ڈھانپنے کا ذریعہ بنتا ہو، لہٰذا وہ لباس تو لباس ہی نہیں، جسے پہننے کے بعد بھی جسم کے اعضا نمایاں ہوتے ہوں۔

کیا خیال ہے آپ کا؟ نیت کرتے ہیں نا؟ آئندہ ایسا لباس نہیں پہنیں گے جو ہمارے جسم سے بالکل لگا ہوا ہو یا باریک ہو؟ بل کہ ایسا لباس پہنیں گے گے جو اِسلامی تعلیمات کے مطابق، یعنی مکمل اور ڈھیلا ہو، جس سے چپکا ہوا نہ ہو۔

پیغامِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

راشد علی نواب شاہی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی چیز نہ لے، نہ مذاق میں، نہ حقیقت میں۔“

(سنن ابی داود، الادب، باب من یاخذ الشئ علی المزاح، الرقم: ۵۰۰۳)

عزیز ساتھیو! ہم لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے۔ کبھی گھر میں، کبھی اسکول، مدرسے، بازار، ہسپتال، مسجد، میں اور کبھی میدان میں، لڑکے اپنے دوستوں کے ساتھ اور بچیاں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کبھی اس طرح کا مذاق کرتی ہیں کہ کسی کی کوئی چیز اُٹھا لی، کبھی جان بوجھ کر اُٹھائی اور اِستعمال کر لی، کبھی مذاق میں اٹھا لی۔

مسجد میں گئے چپل رکھی تو دُوسرا آدمی وہ چپل اُٹھا کر بیت الخلا لے گیا۔ اب چپل والا شخص انتظار کر رہا ہے۔

اس طرح کرنے سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اُس کی چیز نہ اُٹھائی جائے اور اُسے اپنے استعمال میں نہ لایا جائے۔

اس طرح کرنے کے نقصانات:

۱ دوسرے مسلمان کو پریشانی ہوگی۔

۲ کسی کی چیز اِستعمال کی اور وہ خراب ہوگئی، جب دوسرے کو معلوم ہوگا تو دلوں میں رنجش پیدا ہوگی۔

۳ سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی خلاف ورزی ہوگی۔

اس لیے اگر ہم اس طرح کرتے ہیں تو اس عادت کو ختم کریں اور آئندہ نہ کرنے پختہ کا عزم کریں۔

جھلکیاں

سیرت کہانی (۶۱) — عبدالعزیز — 04
بلاعنوان (۲۰۳) — ابن وارث — 07
"مراد" کی "می می" — بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد — 09
ذوق معلومات (۱۰۱) (کھیل) — سعد علی چھیپا — 11
ریل کے انجن کی ایجاد — رانا محمد شاہد — 12
انو منو کا دستر خوان (۲۳) — انعم توصیف — 14
ہوا کی نصیحت — جاوید بسام — 16
سوال آدھا، جواب آدھا (۵۷) (کھیل) — الطاف حسین — 19
رحم دل زرفو — یاسر فاروق — 20
آ گئے آم (نظم) — یاسر فاروق — 23
جھوٹوں کے جھوٹے (۴۹) — حافظ محمد دانش عارفین حیرت — 24
میں کون؟ — مریم شہزاد — 27
تعلیمی کھیل (۸) (کھیل) — مرتبہ: ام رزینہ — 28
سونی اور موہنی — کمیرا انور — 29
چالاک لومڑی اور ہرے جنگل کا بادشاہ — طوبیٰ احسن — 34
سچے فرمودات (نظم) — پروانہ برہان پوری — 37
بڑی چار پائی (پھر کیا ہوا) (۷) — نذیر انبالوی — 38
ہماری بھینس (نظم) — محمد ایوب اختر — 48
فیصلہ — ہانیہ عبدالشکور — 50
دو دھاری تلوار — تنزیلہ احمد — 51

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ
ذوق و شوق
کراچی

زیرِ سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

ذوالحجہ / محرم الحرام ۴۶-۱۴۴۵ ہجری | جلد: 20

شمارہ: 07

■ ناشر ~~~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

■ مدیر اعزازی ~~~ عبدالعزیز
■ معاون ~~~ محمد طلحہ شاہین
■ معاون ~~~ زبیر عبدالرشید

■ ڈیزائنر ~~~ اسد اشفاق
■ کمپوزر ~~~ سعد علی
■ نگران ترسیل ~~~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت عام شمارہ 180 روپے

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک =/2500
بذریعہ عام ڈاک =/2250

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتا

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔او۔بکس: 17984
گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300
zouqshouq@hotmail.com
zouqshouq / ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0300-2229899 - 0309-2228120
دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

JazzCash 0320-1292426
(نوٹ: جاز کیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:
اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Charitable Trust (Zouq-o-Shouq)
اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی
(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و ذہنی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

دوستو! کیا آپ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت عظیم انسان تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ''صحیح بخاری'' انھیں کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو مستند ترین احادیث کا ایک زبردست مجموعہ ہے۔ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سات ہزار سے زائد مبارک ارشادات کو کافی محنت کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ بچو! یہ ہیں ہمارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

آیئے! ہم آپ کو اُن کے بارے میں ایک دل چسپ واقعہ سناتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب چھوٹے تھے تو اُن کی بینائی چلی گئی تھی۔ ان کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگنی شروع کیں۔ رو رو کر اللہ سے دعا مانگتیں کہ بیٹے کی بینائی واپس آجائے۔ وقت یوں ہی گزرتا رہا۔

ایک روز رات کو خواب دیکھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے فرمار ہے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کے لیے بہت دعائیں مانگیں۔ آپ کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کو اُس کی بینائی لوٹا دی ہے۔ صبح ہوئی تو دیکھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی واپس آچکی ہے اور وہ پہلے کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ سبحان اللہ! (سیر اعلام النبلاء، 10/ 80، دار الحدیث، قاہرہ)

بچو! آپ نے دیکھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی امی کی دعائیں ان کے کتنے کام آئیں۔ بظاہر جو چیز ناممکن تھی، اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے ماں کی دعاؤں کی وجہ سے ممکن بنا دیا۔

تو کیا خیال ہے، آپ بھی چاہتے ہیں کہ دنیا میں کام یاب انسان بنیں؟ ہم میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے۔

ہم اپنے امی ابو کو ہر وقت اتنا خوش رکھیں کہ ان کے دل سے ہمارے لیے دعائیں نکلیں اور کبھی ناکامی ہمارے قریب نہ پھٹک سکے۔

بس، اسی بات پر ہم آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے والدین کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین!

اللہ حافظ!

والسلام

سیرت کہانی

۶۱

عبدالعزیز

پچھلے قسط میں حضرت ابودجانہ ؓ کا ذکر آیا تھا، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار عطا فرمائی تھی۔ وہ بہت بہادر تھے، سب سے پہلے انھوں نے اپنا عمامہ نکالا، اسے سر پر باندھا اور پھر اکڑتے ہوئے میدان میں نکلے اور اشعار پڑھنے لگے، جن کا مفہوم یہ ہے:

"میں وہی ہوں جس سے میرے دوست نے اس وقت جب کہ ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب تھے، وعدہ لیا کہ میں کبھی پیچھے والی صف میں کھڑا نہ ہوں گا اور اللہ اور رسول کی تلوار سے (اللہ کے دشمنوں کو) مارتا رہوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابودجانہ ؓ کو اکڑتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"(ویسے تو) یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، مگر ایسے وقت میں (کہ جب صرف اللہ کے لیے اس کے دشمنوں سے مقابلہ ہو) ناپسند نہیں۔"

حضرت ابودجانہ ؓ اشعار پڑھتے اور اکڑتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کو چیرتے چلے جا رہے تھے۔ جو سامنے آتا، اس کی لاش زمین پر ہوتی، یہاں تک کہ حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ ان کے سامنے آگئیں، حضرت ابودجانہ ؓ نے ان پر تلوار اُٹھائی، مگر فوراً ہی ہاتھ روک لیا کہ یہ مناسب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو ایک عورت پر چلایا جائے۔

اسی طرح حضرت حمزہ ؓ سے بھی کفار سخت پریشان تھے کہ وہ جس پر تلوار اُٹھاتے، اس کی لاش زمین پر ہوتی۔

جنگ بدر میں جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی حضرت حمزہ ؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا تو جبیر نے اپنے حبشی غلام، وحشی بن حرب سے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے قاتل (حضرت حمزہ ؓ) کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔

لہٰذا جب قریش کے لوگ جنگ احد کے لیے روانہ ہوئے تو وحشی بن حرب بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔

حضرت حمزہ ؓ جب سباع بن عبدالعزیٰ کی پکار پر اُس کی طرف بڑھے، اس پر تلوار کا وار کیا اور وہ ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اُتر گیا تو وحشی، حضرت حمزہ ؓ کی تاک میں ایک پتھر کے پیچھے چھپا ہوا تھا، جب حضرت حمزہ ؓ اس کے قریب سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا، جو حضرت حمزہ ؓ کے جسم سے پار ہو گیا اور حضرت حمزہ ؓ چند قدم چلے، مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

وحشی بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ ؓ کو شہید کر کے میں لشکر سے علاحدہ جا کر بیٹھ گیا، اس لیے کہ میرا مقصد صرف آزاد ہونے کی غرض سے حضرت حمزہ ؓ کو شہید کرنا تھا۔

(مسند ابوداؤد طیالسی)

فتح مکہ کے بعد طائف کے وفد کے ساتھ حضرت وحشی بن حرب ؓ، حضور ﷺ کی خدمت میں مدینے میں حاضر ہوئے۔

لوگوں نے انھیں دیکھ کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! یہ وحشی ہے، یعنی آپ کے محترم چچا کا

قاتل ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اسے چھوڑ دو کہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل کرنے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔"

حضرت وحشی کے مسلمان ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے کی تفصیل دریافت فرمائی۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے شرمندگی کے ساتھ صرف اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو پورا کرنے کی وجہ سے پورا واقعہ سنا دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو، اس لیے کہ تمھیں دیکھ کر میرے چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔"

لہٰذا حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھتے تھے۔

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ اس فکر میں رہتے کہ اس عمل کا کوئی کفارہ ہو جائے، چناں چہ اس عمل کے کفارے کے طور پر اُنھوں نے مسیلمہ کذاب کو (جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) اسی نیزے سے مار کر جہنم رسید کیا جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو پیچھے کی طرف سے ناف میں نیزہ مار کر شہید کیا تھا، مسیلمہ کذاب کو بھی اسی طرح قتل کیا۔

(فتح الباری، ج:۷، ص:۲۸۴)

ابو عامر فاسق، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اس کے صاحب زادے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ابوسفیان اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہو گیا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہا، لیکن پیچھے سے شداد بن اسود نے ان پر وار کیا، جس سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حنظلہ کو بادل کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔"

جس روز حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہونے والے تھے، اسی رات ان کی بیوی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہوئے اور وہ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس خواب سے ان کی بیوی سمجھ گئیں کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔

جب لڑائی ختم ہونے کے بعد اُن کی نعش تلاش کی گئی تو اُن کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اسی وجہ سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ، غسیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا والد ابو عامر فاسق، چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں لڑ رہا تھا، اس لیے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے والد کو قتل کرنے کی اجازت چاہی، مگر آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔

(الاصابہ، ترجمۃ حنظلۃ بن ابی عامر)

مسلمانوں کے ان تابڑ توڑ حملوں سے قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ ان کے ساتھ آئی ہوئی خواتین بھی بدحواس ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

اس قسط سے ہم نے کیا سیکھا؟

اس قسط میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی جنگ کے وقت حالت ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شہادت، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بہادری، شہادت اور فرشتوں کا انھیں غسل دینے کا ذکر ہے۔ اس قسط میں بیان کردہ ان واقعات سے ہمیں درج ذیل 10 سبق حاصل ہوئے:

١ شاعری کا مضمون ٹھیک ہو تو شاعری کی جاسکتی ہے۔

٢ کسی سے کوئی عہد کیا ہو تو اُسے پورا کرنا چاہیے۔

٣ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی شدید محبت ہونی چاہیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات ماننے پر آمادہ کردے۔

٤ غیر مسلم دشمن سے مقابلے کے وقت اکڑ کر چلنے کی گنجائش ہے۔

٥ عام حالات میں، چال ڈھال میں اکڑ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

٦ کافروں کا مسلمان ہوجانا، ان کے مارے جانے سے زیادہ محبوب ہے۔

٧ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کے ساتھ ساتھ اس کے کفارے کے طور پر نیکی بھی کرلینی چاہیے۔

٨ غیر مسلم دشمن سے مقابلے کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعے مدد فرماتے ہیں، اس پر یقین ہونا چاہیے۔

٩ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے خواب کے ذریعے کسی بات کی خبر دی جاسکتی ہے۔

١٠ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں رشتے داری سے زیادہ دین کی اہمیت تھی، ہمیں بھی یہی جذبہ رکھنا چاہیے۔

......(جاری ہے)......

سوال آدھا، جواب آدھا (۵٦) کے درست جوابات

١ سورت کا رکوع نمبر (جب کہ ''ع'' کے پیٹ میں لکھا گیا عدد اس رکوع میں موجود آیات کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے)۔

٢ حضرت ایوب علیہ السلام۔

٣ حیدر علی۔

٤ 99 فی صد۔

٥ بنگلہ دیش (سابقہ مشرقی پاکستان)۔

٦ منگمری۔

٧ نیلے رنگ کا ایک پھول جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔

٨ کرومیم (Chromium)۔

٩ ظالم شخص دوسرے کے دکھ درد کو محسوس نہیں کرتا، (یعنی ظالم کو مظلوم پر رحم نہیں آتا)۔

ذوقِ معلومات (۹۹) کا درست جواب

☆ خلیفہ امین رشید بن ہارون الرشید

تعلیمی کھیل ٦ کا درست جواب

اصل عبارت:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تین دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے، چلتے چلتے وہ ایک شہر کے قریب پہنچے، دن بھر کے سفر سے کافی تھک چکے تھے، ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھ گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس ہی ایک پوٹلی سی پڑی ہے، اٹھا کر دیکھا تو وہ روپوں سے بھری تھی، مارے خوشی کے اچھل پڑے کہ بغیر کسی محنت اور کوشش کے اتنی بڑی رقم ہاتھ لگ گئی۔''

بلاعنوان ۲۰۳

ابن وارث۔ بہاول پور

"ارے، کیسا عجیب وغریب نام ہے دکان کا!" حماد نے حیرت بھرے انداز میں کہا تو میں بھی چونک گیا۔

"کون سی دکان؟"

"ارے !وہ دیکھو نا! میری انگلی کی سیدھ میں۔" حماد نے شہادت کی انگلی سے سڑک کے اس پار اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اگلالمحہ میری حیرت کا تھا۔

"بالکل حماد! واقعی عجیب وغریب نام ہے۔ چلیں اندر دیکھنے کے لیے؟" میں نے جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

"ہاں، بالکل، آؤ چلتے ہیں۔" حماد نے میرا ہاتھ پکڑا اور سڑک کے دائیں بائیں سے آتی گاڑیوں کا جائزہ لینے لگا۔

پھر ہم سڑک عبور کر گئے۔

......☆......

حماد میرا بچپن کا دوست ہے۔ بچپن کے دس سال ہم نے ایک ساتھ گزارے تھے۔ اس کے والد صاحب بھی شہر میں ایک جگہ ملازم تھے اور ہم بھی ان دنوں شہر میں ہی رہائش پذیر تھے۔ مکان دونوں کا کرائے کا تھا، لیکن بعد میں باباجی کو دُوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تو ہم جدا ہوئے۔ آج تک میں وہ منظر نہیں بھول سکا ہوں جب جدا ہوتے ہوئے ہم دونوں کے آنسو نکلے تھے۔

ماشاء اللہ! حماد کے والد صاحب دین دار شخص ہیں، میرے باباجی نے بھی تبلیغ میں کافی وقت لگایا ہوا ہے۔ کبھی کبھی ہمیں بھی مسجد لے جاتے اور مغرب کے بعد کا بیان سناتے تھے۔ ہمیں بچھڑے ہوئے اگرچہ پندرہ برس بیت گئے ہیں، لیکن اس دوران میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا جس میں ہم نے ایک دوسرے سے ملاقات نہ کی ہو۔ سال میں ایک دفعہ ملاقات کی ترتیب ضرور ترتیب بناتے ہیں۔ کبھی میں اس کے ہاں چلا جاتا ہوں تو کبھی وہ میرے غریب خانے پر تشریف لے آتا ہے۔ اس

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ "بلاعنوان" کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 جولائی 2024 ہے۔
نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

مرتبہ عید الفطر کے دن وہ میرے گھر آیا ہوا تھا۔ ہم نے ترتیب بنائی کہ دو تین شہروں میں مختلف جگہوں پر جائیں گے۔ چناں چہ دوسرا دِن تھا، ہم سفر پر نکلے ہوئے تھے۔ آج عصر سے تھوڑی دیر پہلے ہم شہر کی مرکزی سڑک پر واپسی کی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے، جب حماد کی نظر اُس دکان پر پڑی۔

......☆......

''مسنون کھانے'' کا عنوان دکان کے ماتھے پر لگے بورڈ پر جلی حروف میں لکھا تھا، جب کہ اس کے نیچے یہ عبارت کندہ تھی:

''ہمارے ہاں تمام وہ اشیا اور کھانے کی چیزیں دست یاب ہیں، جن کا ذِکر قرآن پاک میں ہے یا جنھیں ہمارے پیارے نبی ﷺ نے تناول فرمایا ہے۔''

دکان کا نام اور تعارف پڑھ کر ہم حیرت میں ڈوبے اندر داخل ہوئے۔ سفید لباس میں ملبوس پگڑی سر پر سجائے دکان دار، جو ظاہری شکل و صورت سے کوئی عالم لگتے تھے، اپنے گاہک نمٹانے میں مصروف عمل تھے۔ دکان میں ایک جگہ متعدد قسم کی کھجوریں رکھی تھیں۔ ساتھ میں تلبینہ، شہد، کلونجی وغیرہ چیزیں موجود تھیں۔ ہم کافی دیر تو حیرت اور اِستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن اِدھر اُدھر تکتے رہے، پھر موقع ملنے پر کاؤنٹر پر موجود صاحب سے مخاطب ہوئے۔

''محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

''محترم! ہم آپ کا نام پوچھ سکتے ہیں؟''

''جی، میرا نام محمد ہے۔'' دکان دار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بھائی صاحب! آپ اتنے حیران اور پریشان لگ رہے ہیں۔ خیریت تو ہے!'' دکان دار نے سوال کیا۔

''جی دراصل ہم نے اس طرح کی دکان پہلی دفعہ دیکھی ہے، تبھی حیرت ہو رہی ہے۔'' میں نے جواباً وجہ عرض کی۔

''اچھا، اچھا۔ ویسے آپ سے پہلے حیران ہونے والے روزانہ سیکڑوں لوگ یہاں آتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں۔''

''جناب! آپ اپنی دکان کا تھوڑا تعارف کروائیں گے؟''

حماد نے انٹرویو کا انداز اپنایا۔

''جی، ہماری دکان کا تعارف ہماری گفتگو نہیں، بل کہ دکان میں موجود ہر چیز اپنا تعارف خود کراتی ہے۔ چلیں، پھر بھی آپ ہمارے بھائی ہیں، ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ میں اور میرا چھوٹا بھائی، ہم دونوں ایک مدرسے کے طالب علم رہے ہیں۔ حدیث پاک پڑھتے ہوئے مختلف جگہوں پر ذِکر آتا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے یہ چیز تناول فرمائی، یہ چیز پسند فرمائی۔ دن میں جو کچھ سبق میں پڑھتے شام کو وہ چیز خرید کر سنت کی نیت سے استعمال کرتے۔ دل میں خیال آتا کہ ہمارے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی اس سنت کا تعارف ہونا چاہیے۔ کافی دنوں تک ہم دونوں سوچتے رہے کہ اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ ایک دن میرے ایک دوست کے دل میں یہ خیال آیا کہ ایک دکان کھولتے ہیں، جس میں اس طرح کی سب چیزیں فروخت کریں گے۔ لوگ لینے کے لیے آئیں گے اور ہر چیز کے ساتھ اس کا تعارف لکھا ہوگا تو خود بخود سنت سے متعارف ہوں گے۔''

''واہ! جناب! کیا زبردست خیال ہے، ماشاء اللہ!'' حماد دورانِ گفتگو میں اچھل پڑا۔

''بس پھر ہم دونوں نے مل کر تحقیق کی، قرآن وحدیث میں سے مذکورہ اشیا کا نام اور اُن کا پس منظر اِکٹھا کیا اور پھر آگے کا منظر آپ دیکھ سکتے ہیں۔'' دکان دار نے بات مختصر کی۔

''اچھا جناب! اگر کوئی شخص دور سے آئے تو وہ تو صرف ایک دفعہ ہی آپ کی دکان سے خریداری کر سکے گا۔'' حماد نے اپنے مقام کی دوری کے اعتبار سے سوال کیا۔

بقیہ: صفحہ نمبر 41 پر

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد۔ کراچی

"مراد" کی "می می"

جب سے ہمارے گاؤں کے قریب جنگل کٹنے شروع ہوئے ہمارے سروں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔ جنگل میں شکار نہیں ملتا تو شیر گاؤں میں بے دھڑک گھس آتا اور جو ملتا اسے مار کر کھا جاتا۔ چاہے بچھڑا، بھیڑ، بکری، مرغی، کتا یا بلی۔ ہمارے گاؤں میں پچھلے کئی دنوں میں بہت ساری اس طرح کی وارداتیں ہو چکی ہیں۔ رات کو چپکے سے شیر آیا اور ایک گائے کو مار کر کھا گیا، دوسرے دن ہمارے پڑوسی کی گائے کے بچھڑے کو کھا گیا۔ ظالم شیر نے ایک رات ہمارے گاؤں کے وڈیرا سائیں کے کتے ٹائیگر کو ہی کھا لیا۔ گاؤں والوں کے دلوں میں تو اِتنا خوف بیٹھ گیا کہ شیر کسی دن کہیں گاؤں کے آدمیوں پر حملہ آور ہو کر اُنھیں نہ کھا لے اور آدم خور بن کر بڑا نقصان پہنچائے۔

گاؤں کے لوگ اس مسئلے کو لے کر وڈیرا سائیں کے ڈیرے پر جمع ہو کر اپنی اپنی بولی میں بولنے لگے۔ کرمو بابا کہہ رہے تھے:

''اس سال بارش کم ہوئی، تمام تالاب سوکھ گئے۔'' فضلو بڑھئی کہہ رہا تھا:

''جنگل میں اب درخت نہیں بچے ہیں۔'' بھولو ڈھابے والا بولا:

''ہم کھانے پکانے کے لیے لکڑیاں کہاں سے لائیں؟''

وڈیرا سائیں نے تبھی سب کو خاموش کرواتے ہوئے کہا:

''گاؤں والو! پانی کی تلاش میں ہی شیر گاؤں میں آ رہا ہے اور جنگل میں درختوں کی مسلسل کٹائی ہونے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے جنگلی جانور گاؤں کی طرف آ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا رہے ہیں۔ شیر کو شکار نہ ملنے کی وجہ سے وہ بھی گاؤں کا رُخ کرتا ہے، ایسے حالات کے ذمے دار تو ہم ہی ہیں نا۔''

زمین دار کرمو بابا دکھی لہجے میں کہنے لگے: ''شیر تو میرے بیل کی بچھیا کو ہی کھا گیا ہے، وڈیرا سائیں! کوئی علاج سوچیے۔''

لالو کاکا نے صلاح دی: ''کالو لوہار سے لوہے کے تاروں کا ایک مضبوط جال بنوا لیتے ہیں۔ شیر کو اُس میں پھنسا لیتے ہیں، تاکہ ہم سکھ کا سانس لے سکیں۔''

لالو کاکا کی ترکیب سب کو لگی۔ کالو لوہار نے کہا:

''ایسا جال بناؤں گا کہ شیر ہو یا بھیڑیا، پیر رکھتے ہی پھنس

جائے گا۔'' لوگوں نے کہا:

''یہ بھی طے کرلیا جائے کہ شیر کو پھنسانے کے لیے کیا کیا جائے؟ کوئی بھیڑ یا بکری جال کے پاس باندھنی پڑے گی، تبھی تو شیر وہاں اس کی بُو سونگھتا ہوا آئے گا۔''

''ٹھیک ہے، بکری میں دے دوں گا۔'' وڈیرا سائیں نے دل بڑا کرکے کہا۔ اس پر سب گاؤں والے مطمئن ہو گئے۔

اس وقت میں ایک کونے میں کھونٹے سے بندھی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ میرے تو پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور سر گول گول چکرانے لگا۔ مجھے وڈیرا سائیں پر سخت غصہ آنے لگا۔ ابھی پرسوں ہی ٹامی نے اپنی جان دے کر میری جان بچائی تھی۔ وہ زور زور سے بھونکتا رہا تھا، مگر کسی نے دھیان نہیں دیا تھا، آخر کار خوں خوار درندے نے اسی کو اپنا شکار بنالیا تھا۔

''نہیں، نہیں، میں اپنی بکری کسی کو نہیں دوں گا۔ گاؤں میں کئی لوگوں کے پاس بہت ساری بکریاں ہیں، پھر میں ہی کیوں دوں اپنی بکری؟''

وڈیرا سائیں کا سب سے چھوٹا اور لاڈلا بیٹا چارپائی پر بیٹھا سب لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ جب وہ بیچ میں بول پڑا تو اُسے دیکھ کر وڈیرا سائیں نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''بیٹا مراد! خاموش رہو۔ اس طرح بڑوں کے بیچ میں نہیں بولا کرتے۔''

کئی لوگوں نے ایک ساتھ مڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ سب کو غصے سے گھور رہا تھا۔

مجھے بہت اچھا لگا کہ چلو کوئی تو ہے جو میرے بارے میں سوچتا ہے، تب میری جان میں جان آئی۔ یہ چھوٹا سائیں ضدی ہے، یقیناً وہ میرے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔

بچو! میں، می می ہوں۔ چھوٹے سائیں کے گھر میں بنے بڑے سے صحن میں اپنی ماں گلابو اور چھوٹی بہن مومو کے ساتھ رہتی ہوں۔ ہمارے خاندان میں بس ہم تین جانور ہیں۔ ماں کو جال کے پاس باندھا جائے گا تو شیر کھا جائے گا، لیکن میری بہن می می ابھی بہت چھوٹی ہے، وہ چارہ کم کھاتی ہے۔ روز وہ ماں کا دودھ پیتی ہے۔ ماں کے بغیر تو وہ پل بھر رہ بھی نہیں سکتی اور دُودھ کے بغیر تو اُس کا زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے گا۔ لے دے کے اب صرف میں بچی تھی۔ میری ماں نے مجھے سمجھایا کہ ہم انسانوں پر قربان ہونے کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔

مگر میرا دِل نہیں مانا۔ میں نے سوچا کہ بھلا یہ کیسی قربانی ہے؟ ابھی تو میرے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔ میں نے ابھی تک کچھ بھی نہیں دیکھا۔ میں باز آئی ایسی قربانی سے۔

دن بھر محنت کرکے کالو لوہار نے لوہے کا جال بنا دیا۔ گاؤں کے کنارے والے راستے پر باندھنے کے لیے مجھے لے گئے۔ چھوٹے سائیں نے بہت ضد کی، رویا گڑگڑایا، لیکن کسی نے اس کی ایک نہ سنی اور مجھے ایک کھونٹے سے باندھ دیا گیا۔ میرے سامنے ہری ہری گھاس ڈالی گئی۔ ایک ٹب میں میرے لیے پانی بھی رکھ دیا گیا۔ میں بُری طرح ڈری سہمی ہوئی تھی، کیوں کہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ مجھے اس جگہ کیوں باندھا گیا ہے؟ میں نے چارہ تو نہیں کھایا، ہاں تھوڑا سا پانی ضرور پیا۔

سورج کب کا ڈھل چکا تھا۔ چاروں طرف رات کے کالے سائے پھیل چکے تھے۔

جو بھی اس راستے سے گزرتا وہ یہی کہتا کہ وڈیرا سائیں کی یہ بکری تو گئی جان سے، اب تو اِسے شیر کھا جائے گا۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا اور ہُو کا عالم تھا۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے بُری طرح ماں کی یاد ستانے لگی اور می می کے ساتھ کھیلنا کودنا بھی یاد آنے لگا۔ میں روتے ہوئے دعائیں مانگنے لگی: ہائے اللہ جی! اب کیا ہوگا؟

اجاڑ جنگل سے طرح طرح کی ڈراؤنی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ میں نے رونا اور چلانا چاہا، پھر میں نے سوچا، اگر میں روئی تو کہیں میری آواز سُن کر شیر فوراً ہی نہ آجائے۔

اچانک کسی کا سایہ نظر آنے لگا اور کوئی دبے قدموں میری طرف بڑھنے لگا۔ میں بُری طرح سہم گئی، لیکن کیا دیکھتی ہوں کہ وہ تو ایک بندر ہے۔ اس نے مجھے بندھا دیکھا اور چیخ چیخ کر کے افسوس کا اظہار کیا اور خود بھاگ گیا۔ میں تھوڑی دیر تک اور کھڑی رہی، پھر

تھک کر بیٹھ کر جگالی کرنے لگی۔

رات گہری سے گہری ہوتی چلی گئی۔ مجھے ہر آہٹ پر لگتا کہ شیر اَب آیا کہ اب آیا۔

یہاں تک کہ مجھے کسی کے دھیرے دھیرے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ کسی کے پیروں تلے سوکھے پتے چرچرا رہے تھے۔ بس میں سمجھ گئی کہ اب میرا کام تمام ہوجائے گا۔ سو میں نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں، مجھے ایسا لگا کہ اب مجھے، بھیڑیا یا شیر بس دبوچنے ہی والا ہے۔ اچانک کسی نے میرے گلے پر ہاتھ رکھا، میں اور زیادہ ڈر گئی اور کانپنے لگی، لیکن میں نے محسوس کیا، ارے یہ ہاتھ تو بہت زیادہ نرم اور ملائم، بالکل چھوٹے سائیں کے ہاتھوں کی طرح ہے۔ ہاں، یہ میرے چھوٹے سائیں کا ہاتھ تھا۔ اس نے میرے گلے کی رسی کھولی اور میرے کان میں چپکے سے کہا: ”جا، جلدی سے گھر کی طرف بھاگ جا۔“

میں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور گھر کی طرف پوری رفتار سے دوڑنے لگی۔ ماں میرے بغیر زور زور سے ممیا رہی تھی، مجھے واپس آتا ہوا دیکھ کر میری بہن می می خوشی سے اچھلنے کودنے لگی۔ تب مجھے پتا چلا، یہ چھوٹا سائیں مجھ سے کتنا پیار کرتا ہے اور وہی میرا سچا، اچھا اور ہمدرد دوست ہے۔

اور پتا ہے شیر کا کیا ہوا؟ اگلے دن شیر اُسی راستے سے گزر رہا تھا۔ جب اس نے ٹب میں پانی دیکھا تو اُسے پینے کے لیے آگے بڑھا اور جال میں پھنس گیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر چڑیا گھر بھجوا دِیا۔

اس طرح چھوٹے سائیں مراد کی مجھ سے ہمدردی کی وجہ سے میری جان بھی بچ گئی اور شیر بھی پکڑا گیا۔

١٠١

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے درست جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اَپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۳۱، جولائی تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

یہ کون سی جگہ ہے؟

سعد علی چھیپا۔ کراچی

❶ یہ دنیا کا سب سے لمبا دریا ہے۔ یہ برِّ اعظم افریقہ میں واقع ہے۔

❷ اس کی لمبائی 6695 کلومیٹر اور پانی کا بہاؤ اوسطاً 2830 مکعب میٹر فی سیکنڈ ہے۔

❸ سوڈان کے دارالحکومت خرطوم سے اس دریا کا سفر شروع ہوتا ہے۔ 11 ملکوں (ایتھوپیا، اریٹریا، سوڈان، یوگنڈا، تنزانیہ، کنیا، روانڈا، برونڈی، مصر، کانگو، ساؤتھ سوڈان) سے گزرتا ہوا یہ بحرِ روم میں جا گرتا ہے۔

❹ قرآن مجید میں دو دریاؤں کا ذکر آیا ہے، جن میں سے ایک یہ دریا بھی ہے۔

❺ یہ دنیا کا واحد دریا ہے جو جنوب سے شمال کی سمت بہتا ہے، جب کہ باقی سب دریا شمال سے جنوب کی سمت بہتے ہیں۔

❻ اسکندریہ شہر اِس دریا کے کنارے آباد ہے۔ یہ وہی شہر ہے جس کا نام سکندر اعظم کے نام پر رکھا گیا تھا۔

رانا محمد شاہد۔ بورے والا

ریل کے انجن کی ایجاد

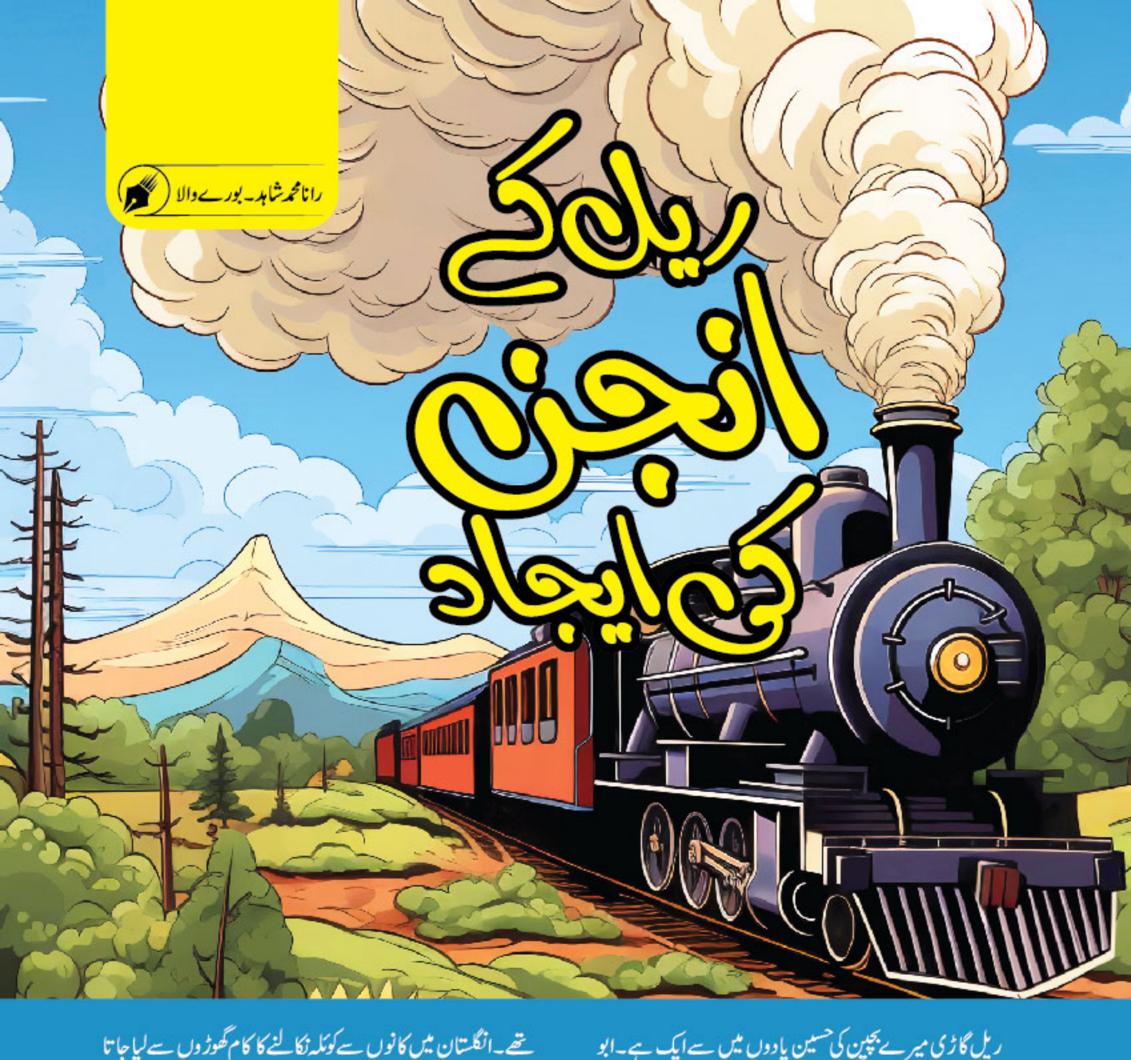

ریل گاڑی میرے بچپن کی حسین یادوں میں سے ایک ہے۔ ابو ریلوے میں ملازم تھے اور ہم ریلوے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ چناں چہ بچپن ریل گاڑی کو آتے جاتے دیکھ کر ہی گزرا۔

ریل گاڑی کو ایک انجن کھینچتا ہے، جو اُس کے آگے لگا ہوتا ہے۔ انسانوں کو سفر کی جدید سہولت فراہم کرنے والی یہ عظیم ایجاد کیسے وجود میں آئی؟ آیئے اس حوالے سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

پرانے وقتوں میں جب ریل گاڑی اور ہوائی جہاز وغیرہ نہیں تھے تو لوگ پیدل، کشتیوں، اونٹوں اور گھوڑوں وغیرہ پر سفر کیا کرتے تھے۔ انگلستان میں کانوں سے کوئلہ نکالنے کا کام گھوڑوں سے لیا جاتا تھا۔ یہ گھوڑے ایک گاڑی کو کھینچتے تھے، پھر کسی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ایسی گاڑیوں کو زمین پر کھینچنے کی بجائے اگر لوہے کی پٹڑیوں پر کھنچوایا جائے تو اِن کی رگڑ میں کمی آ جائے گی، گھوڑوں کو کم محنت کرنی پڑے گی اور گاڑیوں کی رفتار میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ 1650ء تک انگلینڈ میں لوہے کی پٹڑی پر پہیوں والی گاڑیاں چلنے لگ گئی تھیں۔ ان گاڑیوں کو کھینچنے کے لیے گھوڑے استعمال ہوتے تھے۔

1804ء میں ایک انگریز سائنس دان ٹری وی تھک نے

بھاپ کا انجن بنانے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کئی دوسرے سائنس دانوں نے بھی کی، تاہم ان کوششوں میں کام یابی ایک اور سائنس دان جارج اسٹیفنسن کو سالہا سال کی محنت کے بعد حاصل ہوئی اور بالآخر 1814ء میں بھاپ سے چلنے والا اور پٹڑی پر دوڑنے والا انجن ایجاد ہوگیا۔ اس وقت اس کا نام ''راکٹ'' رکھا گیا۔ یہ راکٹ تیس آدمیوں کو ایک گھنٹے میں دس میل تک لے جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ لوگ اس ایجاد کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔

1825ء میں پہلی بار ریلوے لائن بچھائی گئی اور اُس پر جارج اسٹیفنسن کا بنایا انجن چلایا گیا۔ اس ریل گاڑی کی رفتار بارہ میل فی گھنٹا تھی اور اِنجن بھاپ کی مدد سے چلتا تھا۔ اسٹیفنسن کے بنائے اس پہلے انجن کا نام ''لوکوموشن'' تھا۔ آہستہ آہستہ اس انجن کی دھوم مچ گئی، کیوں کہ اس نے بیس میل فی گھنٹا کی رفتار حاصل کر لی تھی، جو اُس زمانے کے حساب سے بہت زیادہ تھی۔ 1829ء میں اس رفتار میں مزید اضافہ ہوا اور اُس انجن نے 36 میل فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑ کر 500 پونڈ کا انعام حاصل کیا۔

جارج اسٹیفنسن کو بچپن ہی سے ریلوے انجنوں سے لگاؤ تھا۔ چناں چہ سترہ سال کی عمر میں اس کی یہ خواہش پوری ہوئی، جب اسے ایک انجن کی دیکھ بھال کی ذمے داری سونپی گئی، جہاں سے وہ بھاپ کا انجن بنانے میں کام یاب ہوا۔

انگلستان میں ریلوے کا نظام منظور ہوا تو اِسٹیفنسن کو ریلوے کا انجینیئر بنا دیا گیا۔ اس کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ مقرر ہوئی۔ ایک وقت تھا جب اسے صرف ایک شلنگ روزانہ مزدوری ملتی تھی۔ اسٹیفنسن نے ریلوے نظام کا سب سے بڑا اِنجینیئر بننے کے باوجود محنت اور کوشش جاری رکھی اور پورے ملک میں ریلوے لائن کا جال بچھا دیا۔ اس کے بعد ریلوے لائنوں پر پل تعمیر کیے گئے اور کئی راستے زمین کے اندر سے بھی نکالے گئے، جنھیں ہم ''سرنگ'' کا نام دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے انجنوں کو بھی بہتر بناتا رہا۔ اس کام میں اسے اپنے بیٹے کی معاونت بھی حاصل رہی۔

جدید قسم کے انجن بنائے گئے۔ ابتدا میں بھاپ کے انجن بنے، پھر ڈیزل سے چلنے والے انجن بنائے گئے۔ بھاپ کے مقابلے میں بجلی اور ڈیزل سے بنے انجن ہلکے اور تیز رفتار تھے۔

یہ 1830ء کی بات ہے، جب انگلینڈ میں ریل گاڑی چلنے کا باضابطہ افتتاح ہوا۔ اس موقع پر اِنگلینڈ کے وزیر اعظم، بہت سے حکومتی لوگ اور عوام کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ آٹھ انجن چلا کر اِس کا تاریخی آغاز ہوا۔ سب سے آگے موجود اِنجن کو جارج اسٹیفنسن خود چلا رہا تھا۔

1848ء میں ریل گاڑی کے اس موجد جارج اسٹیفنسن کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت اس کی عمر 67 سال تھی۔

یہ تھی ریل گاڑی اور اُس کے موجد کی محنت، لگن اور جدو جہد کی کہانی۔

متفرق معلومات

☆ نیویارک امریکا کا ''گراونڈ سینٹر ٹرمینل'' دنیا کا سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن ہے، جہاں روزانہ تقریباً 550 ریل گاڑیوں کی آمدورفت ہوتی ہے۔

☆ دنیا کا سب سے بلند ریلوے پل فرانس میں ہے۔

☆ دنیا کا سب سے بلند ریلوے اِسٹیشن بولیویا کا ''کونڈور اِسٹیشن'' ہے، جو سطح سمندر سے 15 ہزار 705 فٹ بلند ہے۔

☆ برصغیر میں سب سے پہلے 1845ء میں کلکتہ رانی گنج بمبئی سے کلیان اور مدراس سے ارکوتک ریلوے پٹڑیاں بچھائی گئیں۔

☆ پاکستانی علاقے میں پہلی ریلوے لائن 1860ء میں کراچی سے کوٹڑی تک بچھائی گئی۔ یہ پٹڑی تقریباً 150 میل لمبی تھی۔

☆ پاکستان کا سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن لاہور میں ہے۔

☆ پاکستان میں بجلی سے چلنے والی ریل گاڑی کا آغاز 1970ء میں ہوا۔

☆ پاکستان میں ریلوے اسٹیشنوں کی تعداد 780 ہے۔

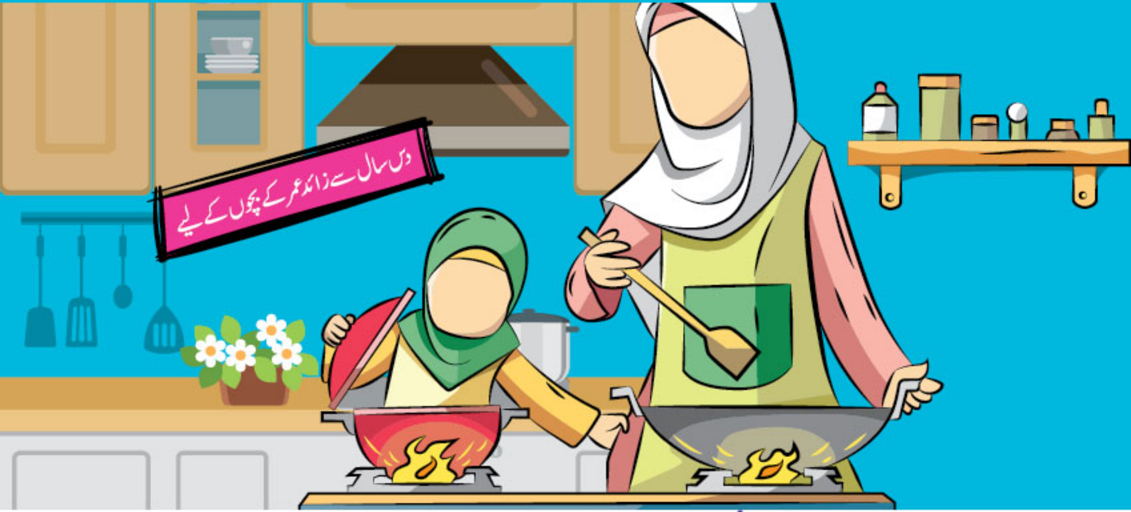

انعم توصیف۔ کراچی

انومنو کا دسترخوان ۲۳

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نئے اسلامی سال کا آغاز ہوگیا ہے۔ اللہ پاک سے اپنے لیے بھی اور پوری امت مسلمہ کے لیے ڈھیروں دعائیں کیجیے۔ یہ دعائیں ہی ہیں جو ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہیں۔

یہ تو بتایئے کہ انومنو کے دسترخوان کے پیارے قارئین کیسے ہیں؟ انومنو کی ترکیبوں کو آزمانے کا سلسلہ جاری ہے یا پھر رُک گیا ہے؟ مہینے میں صرف ایک ترکیب تو آتی ہے، اسے آزمانے میں کیسی سُستی؟ مزے سے ترکیب آزمائیں اور مل جل کر کھائیں۔ اللہ پاک کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور شکر اَدا کرتے جائیں۔ انومنو اِس ماہ گرمی کی مناسبت سے ایک ٹھنڈی میٹھی ترکیب لے کر حاضر ہوئی ہے۔ آیئے، چلتے ہیں اجزائے ترکیبی کی جانب۔

دودھ	ایک کلو
ڈبل روٹی کے سلائس	تین عدد
چینی	چھے کھانے کے چمچ
آم	چار عدد
پاؤڈر کا دودھ	دو کھانے کے چمچ
بسکٹ	حسبِ ضرورت
کریم	حسب ضرورت
جیلی	ایک پیکٹ

ترکیب:

اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام لے کر کام کا آغاز کرتے۔ سر ڈھانپ کر کام کی شروعات کریں۔ بالوں کو اچھی طرح سمیٹ کر سَر ڈھانپنا چاہیے۔ گرمی کی وجہ سے آپ کاٹن کا کوئی چھوٹا کپڑا لے کر بھی سر ڈھانپ سکتے ہیں۔ بس یہ سوچا کریں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام پسند ہے، پھر سَر ڈھانپنا آسان لگے گا، ان شاءاللہ!

اب چلتے ہیں کام کی طرف، کیوں کہ کام کرنے میں ہی زندگی کا مزہ ہے۔ اللہ پاک ہم سب کے ہاتھ پیر سلامت رکھے، صحت، تن درستی دے اور سستی سے بچائے رکھے۔ آمین!

سب سے پہلے تین آموں کو چھیل کر کاٹ لیں، اس طرح کہ ان کی گٹھلیوں پر ذرا بھی گودا باقی نہ رہے۔ یہ نہ ہو کہ گٹھلی پر آم کا گودا لگا رہ جائے اور ہم اسے کچرے کے ڈبے کی نذر کردیں۔ رزق کی قدر کرنی چاہیے۔ آخر اِس رزق کے لیے ہی تو ہمارے بڑے اتنی محنت کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنے سے ہی شکر گزاری کا اظہار ہوتا ہے اور شکر گزاری سے نعمتیں بڑھتی ہیں۔ آم کے گودے کو نکال کر، سارا گودا گرائنڈر مشین میں ڈال دیں۔ اب اس میں پاؤڈر کا دودھ شامل کر کے اچھی طرح پیس لیں۔ یاد رکھیے کہ اس میں پانی کی ایک بوند بھی شامل نہیں کرنی ہے۔ اب ہمارے سامنے گاڑھا آمیزہ موجود ہوگا۔ اس آمیزے کو ایک پیالے میں نکال کر رکھ لیں۔

اب ایک چھوٹے بھگونے میں ایک کپ پانی لے کر اُسے ابلنے کے لیے رکھ دیں۔ پانی اُبل جائے تو اُس میں جیلی کا پیکٹ کھول کر ڈال دیں۔ ایک منٹ تک پکائیں اور پھر اُسے کسی پیالے میں ڈال کر ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیں۔ جب درجہ حرارت کم ہو جائے تو پیالے کو اُٹھا کر فریج میں رکھ دیں۔

ڈبل روٹی کے سلائس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ اب اسے بھی گرائنڈر مشین میں ڈال کر پیس لیں۔ ڈبل روٹی کے کنارے نہیں ہٹانے، کناروں سمیت ہی پیسنا ہے۔ اکثر لوگ ان کناروں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں۔ رزق کو ضائع کرنے سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ دنیا میں ہمارے کتنے ایسے مسلمان، بہن بھائی ہیں جو روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لیے بھی ترستے ہیں۔ ہمیں ان کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے، ساتھ ہی ان کی ہر ممکن مدد بھی کرنی چاہیے اور اپنے پاس موجود نعمتوں کی قدر بھی کرنی چاہیے، اللہ نہ کرے، یہ نعمتیں ہم سے چھن جائیں۔

آپ سوچیں گے کہ انومنو کیا بار بار نعمتوں کی قدر کا ذِکر کر رہی ہے۔ پیارے بچو! اچھی بات کا ذِکر بار بار کرنا چاہیے، تاکہ وہ ذہن نشین ہو جائے۔ جیسے مسلسل کام کرتے ہوئے درود شریف کا ذکر ہوتا ہے تو مجھے اُمید ہے کہ آپ میں سے کوئی نہ کوئی تو اِس پر عمل کرتا ہی ہوگا۔ درود شریف کی برکت سے میٹھی چیز اور میٹھی ہو جائے گی، ان شاء اللہ!

ایک پتیلی میں دودھ ڈال کر اُبال لیں۔ جب دودھ اُبل جائے تو اُس میں ڈبل روٹی کے سلائس کا چُورا ڈال دیں، پھر اِس میں چینی شامل کریں۔ اب اسے پکاتے رہیں، یہاں تک کہ یہ آمیزہ گاڑھا ہو جائے۔ اب چولھا بند کر دیں اور اِس آمیزے کا درجہ حرارت کم ہونے دیں۔

اب چند پیالیاں لیں، وہ پیالیاں جن میں نکال کر کھاتے ہیں، یعنی بڑے پیالے نہیں، چھوٹے پیالے لینے ہیں۔ جتنی دیر میں آمیزہ ٹھنڈا ہوگا اتنی دیر میں جو ایک آم باقی رہ گیا تھا، اسے چھیل کر اُس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ جیلی فریج سے نکال کر اُسے اپنی پسند کے مطابق کاٹ لیں۔ اب پیالے میں سب سے پہلے دودھ والا آمیزہ ڈالیں۔ اس کے اوپر بسکٹ رکھ دیں۔ اب اس کے اوپر آم کے آمیزے کی تہ لگا دیں، پھر ایک پیالے میں کریم نکالیں۔ اس کریم کی ایک تہ لگائیں۔ اب بیچ میں آم کے ٹکڑے ڈالیں اور کناروں پر جیلی ڈال دیں۔ پیالی سے آر پار نظر آتا ہو تو پھر آپ دیکھ سکیں گے کہ ہر تہ کتنی پیاری لگے گی۔ ایسے ہی باقی پیالیوں میں نکالیں۔

اب ان پیالیوں کو فریج میں تین سے چار گھنٹوں کے لیے ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیں، پھر مزے لے کر خود بھی کھائیں اور گھر والوں کو بھی کھلائیں۔ کھا کر اللہ تعالیٰ کا خوب شکر اَدا کریں اور اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی کریں کہ کیا ہی پیاری ذات ہے اس رب کی کہ جس نے ہر موسم کا الگ الگ پھل اُتارا ہے، تاکہ ہم مختلف ذائقوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔

ترکیب پسند آئے تو کیا کرنا ہے؟ انومنو کو دُعاؤں میں یاد رکھنا ہے۔ ملتے ہیں اگلے ماہ ایک اور مزے دار، لیکن آسان ترکیب کے ساتھ، ان شاء اللہ!

اللہ حافظ

ہوا کی نصیحت

جاوید بسام۔ کراچی

ایک گاؤں کے باہر ایک پرانا برگد کا درخت تھا۔ ایک دفعہ خزاں آئی تو دوسرے درختوں کی طرح اس کے پتے بھی جھڑ گئے۔ خزاں کا موسم ختم ہوا تو دوسرے درختوں پر نئے پتے نکل آئے، مگر اُس درخت پر کوئی پتا نہیں نکلا۔ سردی گزری، پھر موسم بہار آ گیا، میدان میں ہر طرف گھاس اُگ آئی اور پھول کھلنے لگے۔ آس پاس کے تمام درخت بھی ہرے بھرے ہو گئے، مگر برگد پر ایک پتی بھی نہیں نکلی۔ کچھ دنوں بعد گرمی کا طویل موسم شروع ہو گیا۔ گرمی میں دوسرے درخت پتوں سے لدے جھومتے رہے، لیکن وہ برگد ٹنڈ منڈ ہی رہا، دراصل وہ کچھ بیمار ہو گیا تھا۔ اب اس کے تنے کی چھال بھی خشک

ہو کر اُکھڑنے لگ گئی۔

دن یوں ہی گزرتے رہے۔ گرمی ختم ہوئی تو برسات شروع ہو گئی۔ برگد جو اِس صورتِ حال سے بہت رنجیدہ تھا، اسے خیال آیا کہ اب میں ضرور ہرا بھرا ہو جاؤں گا، مگر ایسا نہ ہوا۔ دوسرے درخت برسات میں بھیگ کر تر و تازہ ہو گئے، مگر وہ بے پتوں کے شاخیں پھیلائے کھڑا رہا۔ موسموں کا چکر اِسی طرح چلتا رہا اور کئی سال گزر گئے۔ آخر پرندوں نے اس پر گھونسلے بنانے چھوڑ دِیے۔ مسافر جو پہلے تھک کر اُس کے نیچے دو گھڑی رک جاتے تھے، اب وہ بھی قریب نہیں آتے تھے۔ بھیڑ بکریاں بھی اس کے پاس نہ آتیں۔ نہ اس پر تتلیاں منڈلاتیں، نہ شہد کی مکھیاں چھتا بناتیں۔ اب گلہریاں بھی اس سے دور رہتی تھیں۔ بے چارہ برگد اِس صورتِ حال پر آہیں بھرتا رہتا تھا۔ وہ پریشان تھا اور ہر وقت اداس اور رنجیدہ، سوچ میں گم کھڑا رہتا تھا۔ اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ برگد کو خیال آتا، کاش! وہ حرکت کر سکتا تو کہیں دور چلا جاتا، جہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہوتا۔

ایک دن اتفاق سے شمال کی ہوا اُس کے پاس چند لمحوں کے لیے رک گئی۔ برگد نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور سرگوشی کی: ''میں کب تک یوں ہی کھڑا رہوں گا؟''

شمال کی ہوا نے غور سے اسے دیکھا اور سرگوشی میں جواب دیا، جو صرف درخت نے سُنا، پھر ہوا وہاں سے کسی اور طرف نکل گئی۔ درخت سوچ میں گم تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ شمال کی ہوا نے اس سے کیا کہا ہے، لیکن برگد اَب اتنا اداس نظر نہیں آ رہا تھا۔

کچھ دن بعد دُوپہر کے وقت جب آسمان پر سورج چمک رہا تھا، ایک چڑیا قریبی درخت سے اڑ کر برگد پر آ بیٹھی۔ اسے ایک سانپ نے شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اب اتر کر اُس کے پیچھے برگد پر آ رہا تھا۔

درخت نے سرگوشی کی: ”میرے اس کھوکھلے تنے میں چھپ جاؤ۔“

چڑیا نے ایسا ہی کیا۔ سانپ درخت پر آ کر کچھ دیر اُسے ڈھونڈ تا رہا، پھر واپس لوٹ گیا۔ جب خطرہ ٹل گیا تو برگد نے پھر سرگوشی کی: ”اب باہر آ جاؤ، اب تم محفوظ ہو۔“

چڑیا ڈرتے ڈرتے باہر آ گئی۔ درخت نے دیکھا، اس کا ایک بازو زخمی ہے وہ بولا:

”پیاری چڑیا! تم تکلیف میں ہو، یہاں سے نہ جاؤ، ورنہ کوئی اور جانور تم پر حملہ کر دے گا۔ میری سوکھی چھال کے نیچے کیڑے مکوڑے موجود ہیں۔ ان سے اپنا پیٹ بھر و اور کھوکلے تنے میں رہو۔ صبح جب شبنم گرے گی تو تمھیں پینے کے لیے پانی بھی مل جائے گا۔“

چڑیا کی سمجھ میں برگد کی بات آ گئی۔ وہ وہاں رہنے لگی۔ دن گزرتے رہے۔ آخر کچھ دنوں بعد چڑیا ٹھیک ہو گئی۔ ایک دن درخت افسردہ لہجے میں بولا:

”پیاری چڑیا! اب تم ٹھیک ہو چکی ہو۔ اب تم جہاں چاہے جا سکتی ہو۔“

چڑیا بولی: ”میں کہیں نہیں جاؤں گی، میں اسی درخت پر گھونسلا بناؤں گی اور یہیں رہوں گی۔“

”اس درخت پر؟ جس پر ایک پتا بھی نہیں لگتا؟“ درخت حیرت سے بولا۔

”ہاں، میں اسی درخت پر گھونسلا بناؤں گی، کیوں کہ یہ درخت سب درختوں سے زیادہ مہربان ہے۔“ چڑیا بولی، پھر اُس نے ایسا ہی کیا۔ اسے ٹنڈ منڈ درخت پر گھونسلا بناتے دیکھ کر دُوسرے پرندے ہنسنے لگے، لیکن چڑیا نے پروا نہیں کی۔ درخت اسے ہدایت دے رہا تھا کہ کن چیزوں سے گھونسلا مضبوط اور پائیدار بنے گا۔ آخر گھونسلا بن گیا۔ چڑیا نے وہاں انڈے دیے اور اُن پر بیٹھ گئی، پھر جس دن انڈوں سے پہلا بچہ نکلا اور برگد نے چوں چوں کی آواز سُنی، وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے ایک عرصے بعد یہ آواز سنی تھی۔ وہ چڑیا سے سرگوشیاں کرتا اور اُسے بتاتا کہ کہاں اچھا کھانا ملے گا۔ چڑیا ہمیشہ اس کی ہدایت پر عمل کرتی۔

آخر سب بچے نکل آئے۔ اب وہ گھونسلے میں کلبلاتے رہتے تھے۔ چڑیا ان کے لیے دور تک کھانے کی تلاش میں چلی جاتی تھی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ایک شکاری پرندہ وہاں منڈلانے لگا۔ چڑیا اور درخت، دونوں پریشان ہو گئے۔ اب بہار کا موسم شروع ہو گیا تھا اور درختوں پر نئے چکنے چکنے پتے نکل رہے تھے۔ آخر برگد نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دُعا کی کہ اس پر بھی نئے پتے نکل آئیں۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ گھونسلے قریب ایک شاخ پر ایک پتی نکل آئی ہے۔ وہ خوشی سے کانپنے لگا۔ چڑیا نے بھی پتی کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے درخت کو مبارک باد دی۔ کچھ ہی دنوں میں گھونسلے کے آس پاس نئے پتے نکل آئے اور گھونسلا اُن میں چھپ گیا۔ درخت بہت خوش تھا۔

دن گزرتے رہے۔ بہار نے خوب رنگ جمایا اور برگد بھی ہرے ہرے پتوں سے بھر گیا۔

چڑیا کے بچے بڑے ہو گئے تھے۔ اب وہ ادھر اُدھر اُڑتے اور گھوم پھر کر درخت پر واپس آ جاتے۔ درخت ہمیشہ اپنی شاخیں پھیلائے ان کے استقبال کے لیے موجود ہوتا تھا۔ جب دوسرے پرندوں نے درخت کو سرسبز دیکھا تو وہ بھی اس پر آنے اور گھونسلا بنانے لگے۔ درخت نے سب کو خوش آمدید کہا۔ گلہریاں بھی تیزی سے آوازیں نکالتیں اس پر چڑھ آتیں، تتلیاں اور شہد کی مکھیاں بھی اس پر آنے لگ گئی تھیں۔ وہاں اب مسافر بھی رکتے تھے۔ یہ سب دیکھ کر درخت اپنے خالق کا بہت شکر اَدا کرتا اور اُسے شمال کی ہوا کی سرگوشی یاد آ جاتی، جو کسی اور نے نہیں سنی تھی۔ یہ کہانی لکھنے والے نے بھی نہیں، لیکن قیاس تو کیا جا سکتا ہے، لہٰذا کہانی لکھنے والے کا خیال ہے کہ اس دن شمال کی ہوا نے درخت سے جو سرگوشی کی تھی، وہ یہ تھی:

”اگر تم اپنی حالت بدلنا چاہتے ہو تو دُعا کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی نیکی کرو۔“

برگد نے ہوا کی نصیحت پر عمل کیا اور زخمی چڑیا کو اچھا مشورہ اور پناہ دی۔ بالآخر وہ اپنی حالت بدلنے میں کام یاب ہو گیا۔

بکھرے موتی

قارئین

☆ اپنے اقوال کو زبان میں قید نہ رکھو، بل کہ عمل کر کے آزاد کر دو۔

☆ سچائی میں اطمینان ہے اور جھوٹ میں بے چینی ہے۔

☆ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کے بارے میں دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری فراغت (فرصت)۔

☆ اللہ والے بات بات پر تکلیف کا اظہار نہیں کرتے۔

(ابوذر۔ کراچی)

☆ شیخی، انسان کے دل میں چپکے سے پیدا ہوتی ہے اور اِنسان کو برباد کر دیتی ہے۔

☆ سختیاں انسان کو طاقت وَر بنا دیتی ہیں، اگر اِنسان کو صبر کی طاقت حاصل ہو۔

☆ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اور نتیجہ دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

(امامہ بنت عبیداللہ۔ کراچی)

☆ ایسا دوست بہت مشکل سے ملتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے۔

☆ دوستی برف کے گولے کی مانند ہے، جسے بنانا تو آسان ہے، لیکن برقرار رکھنا انتہائی مشکل ہے۔

☆ ضرورت کی ایک حد ہے، لیکن حرص اور لالچ کی کوئی حد نہیں۔

☆ شک کا ایک سوراخ محبت کی کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔

☆ عقل مند وہ ہے جو کم بولے اور زیادہ سنے۔

(شبانہ یاسین۔ حیدرآباد)

☆ خوب صورتی کپڑوں سے نہیں، بل کہ علم و اَدب اور بہتر اَخلاق سے ہوتی ہے۔

☆ انسان کے جسم کا سب سے خوب صورت حصہ دل ہے، اگر یہی صاف نہ ہو تو چمکتا چہرہ کسی کام کا نہیں۔

☆ اگر لوگ آپ کو قبول نہیں کرتے تو مایوس نہ ہوں، کیوں کہ لوگ اکثر وہ چیز چھوڑ دیتے ہیں جس کی وہ قیمت ادا نہیں کر سکتے۔

☆ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ لے لیا جسے کھونے کا آپ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے تو یقین رکھیے، اللہ تعالیٰ آپ کو کچھ ایسا ضرور عطا کرے گا جسے پانے کا آپ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔

(ضحیٰ بنت محمد شعیب۔ رحیم یار خان)

☆ جو کنجی استعمال کی جاتی ہے وہ صاف اور چمک دار رہتی ہے، یعنی انسان کو ہمیشہ کام کرتے رہنا چاہیے۔

☆ قریب ترین آواز ضمیر کی ہوتی ہے، مگر بہت کم لوگ اس کی طرف دھیان دیتے ہیں۔

☆ محنتی لوگ کبھی فاقہ کش نہیں ہوتے۔

☆ دوستی کے بندھن کو مضبوط بنانا ہے تو دوستوں سے ملتے رہیے۔ اگر بہت مضبوط بنانا ہے تو کبھی کبھار ملیے۔

☆ زندگی ایک ہیرا ہے، جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔

(اریبہ بنت عبداللہ۔ امریکا)

سوال آدھا جواب آدھا ۵۷

الطاف حسین۔ کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔ آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱، جولائی تک ارسال کردیجیے، ہم آپ کو اس کا انعام روانہ کردیں گے۔ ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔ کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

❶ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں دو مساجد کی تعمیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ ایک مسجد نبوی...... دوسری مسجد کا نام بتایئے؟

❷ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد خانہ کعبہ میں آکر بآوازِ بلند اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا۔ جس سے کفار مکہ کے حوصلے پست ہوگئے تھے...... یہ بتایئے کہ وہ کون سے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے اسلام قبول کرنے کی خبر سن کر کفار مکہ کو پہلی بار شدت سے یہ احساس ہوا تھا کہ اسلام کی تحریک زور پکڑ گئی ہے؟

❸ پاکستان کے ابتدائی دور میں ایک روپے میں چھیالیس پیسے ہوتے تھے...... آپ یہ بتایئے کہ کس تاریخ کو روپے میں پیسوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دی گئی تھی؟

❹ تنزانیہ کے سابقہ دارالحکومت کا نام ''دارالسلام'' تھا...... بتایئے ''اسلام آباد'' سے پہلے کس شہر کو پاکستان کے دارالحکومت کا درجہ حاصل تھا؟

❺ تیونس میں صوبوں کی تعداد 23 ہے...... بتایئے ترکی میں صوبوں کی تعداد کتنی ہے؟

❻ ''محمد پنجم انٹرنیشنل ائیرپورٹ'' مراکش کے شہر ''کاسابلانکا'' میں واقع ہے...... بتایئے اگر کوئی جہاز ''کنسائی انٹرنیشنل ائیرپورٹ'' پر اُترے تو وہ جاپان کے کس شہر میں ہوگا؟

❼ ''تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ''انتظار کرو اور دیکھو کیا ہوتا ہے''...... بتایئے ''جتنا گُڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہوگا'' کا کیا مطلب ہے؟

رحم دل زرفو

یاسر فاروق۔ راولپنڈی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ملک کینیا میں ایک زرافہ رہتا تھا۔ اس کا نام زرفو تھا۔ تمام زرافوں کی طرح زرفو کی گردن اور ٹانگیں بھی بڑی اور لمبی تھیں۔ اپنے لمبے قد کی وجہ سے وہ آسانی سے درختوں کی بلند ٹہنیوں تک پہنچ جاتا اور اُنھیں چٹ کر جاتا تھا۔

سوانا افریقہ میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں دور دُور تک بہت ساری گھاس ہو۔ یہاں چند ایک درخت ہوتے ہیں۔ اسے بعض اوقات گھاس کا میدان بھی کہتے ہیں۔ زرفو یہیں رہتا تھا۔ اونچے قد کی وجہ سے یہ خوراک کو آسانی سے تلاش کر لیتا تھا۔ اسے پتے اور دَرختوں کی نرم کونپلیں بہت پسند تھیں۔ زیبرا اور ہرن اونچے درختوں کی ان شاخوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے، جہاں تک زرفو اپنے قد کی وجہ سے پہنچ جاتا تھا۔

ایک دن سورج خوب چمک رہا تھا۔ بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ یہاں کافی عرصے سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ گھاس خشک ہو چکی تھی۔ زرفو دُوسرے زرافوں کے ساتھ درختوں کے اوپر والی ٹہنیوں سے مزے سے پتے کھا رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنی لمبی ٹانگوں کی طرف سے ایک آواز سنی۔ اس نے نیچے دیکھا تو یہ اس کا دوست نِکّو بندر تھا۔ نِکّو اُس سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر زرفو کو کچھ سنائی کچھ نہیں دیا۔ نِکّو بہت تھکا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

زرفو ایک رحم دل زرافہ تھا۔ وہ دوسروں کی مدد کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' زرفو نے نیچے جھک کر اُس سے پوچھا۔ اسی دوران میں اس نے نِکّو کو زمین پر گرتے دیکھا۔

زرفو سمجھ گیا۔ نِکّو بہت بھوکا لگ رہا تھا۔ اس نے درخت کے اوپر سے کچھ نرم، تازہ پتے اور شگوفے اکھیڑے اور اُنھیں نیچے نِکّو کے پاس پھینکا، پھر اُس نے اپنے پاؤں سے اسے ہولے سے چھوا اور کہا:

''اٹھو نِکّو! میں نے تمھارے کھانے کا کچھ بندوبست کیا ہے۔''

نِکّو نے بڑی نقاہت سے آنکھیں کھولیں اور ساتھ پڑے پتے دیکھ کر ہولے ہولے کھانے لگا۔

کھانے کے بعد جب اس کی جان میں جان آئی تو اُس سے زرفو نے پوچھا:

نِکّو! کیا ہوا تھا؟ اتنے بھوکے کیوں ہو؟ تمھیں کھانے کو کیوں نہیں ملا؟''

نِکّو بولا: ''تمھیں نہیں معلوم کیا؟ بہت عرصے سے بارش نہیں

ہوئی۔ ہر شے خشک ہوگئی ہے۔کھانے کے لیے کچھ نہیں رہا۔‘‘
’’اوہ ہاں، یہ تو ہے۔دوسرے جانوروں کا کیا حال ہے؟‘‘ زرفو بولا۔
’’سب بھوک سے پریشان ہیں۔کسی کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ نِکّو نے پریشانی سے جواب دیا۔
’’تمام زیبرے، ہرن اور ہاتھی اس خشک گھاس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔کچھ تو سوانا کو چھوڑ کر جنگل کی طرف جانے کا بھی سوچ رہے ہیں۔‘‘
’’مگر جنگل تو بہت دور ہے۔‘‘ زرفو نے کہا۔’’سنو، کیا تم بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟‘‘
’’معلوم نہیں۔‘‘ نِکّو نے کہا۔’’تمھارا کیا خیال ہے کہ ہمیں جانا چاہیے؟‘‘
زرفو نے چند لمحے سوچا، پھر اچانک بولا:
’’ہمیں شیر بادشاہ سے مشورہ کرنا چاہیے۔وہ سوانا کا سب سے عقل مند جانور ہے۔‘‘
نِکّو بہت زیادہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔زرفو نے اسے اپنے کندھے پر بٹھالیا۔
’’میری گردن کو مضبوطی سے پکڑلو۔‘‘ زرفو نے اس سے کہا۔
’’کہاں کہاں سے پکڑوں اتنی بڑی گردن!‘‘ نِکّو نے مذاق میں کہا۔
زرفو نے ہنس کر جواب دیا: ’’یہ بھی ٹھیک ہے۔ میری گردن جانوروں میں سب سے لمبی ہے۔‘‘
دونوں شیر بادشاہ سے ملنے سوانا کی دوسری طرف سفر کرنے لگے۔
دونوں بہت خوش قسمت نکلے۔شیر بادشاہ دور ہی سے انھیں ایک چٹان پر لیٹا مل گیا۔
’’شیر بادشاہ!‘‘ دونوں اسے پکارا۔
شیر بادشاہ سویا ہوا تھا۔جب انھوں نے اسے اٹھایا تو وہ غنودگی میں تھا، مگر وہ بڑی نرمی سے ان سے مخاطب ہوا۔
’’آں...... کیسے ہو زرفو اور نِکّو! کیسے آنا ہوا اِتنی دور سے؟ کیا صرف مجھے جگانے کے لیے؟‘‘ اس نے اپنا بڑا سا منہ کھول کر جمائی لیتے ہوئے ان سے مذاق میں کہا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
’’نِکّو کہتا ہے کہ بارش نہ ہونے سے اب سوانا میں خوراک نہیں بچی۔‘‘ زرفو نے اسے بتایا۔
’’کیا تمھارے پاس کوئی تجویز ہے اس بارے میں؟‘‘
شیر بادشاہ تھوڑی دیر سوچ کر بولا:
’’بارش کا تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کب ہو۔جلد ہی ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اگر بارش ہوگئی تو تمام پودے دوبارہ اگنے لگیں گے، ہرے بھرے ہو جائیں گے اور سب کو کھانے کو بہت کچھ ملے گا۔‘‘
پھر اُس نے مزید کچھ سوچ کر کہا:
’’میرے خیال میں اگر سارے جانور جنگل کی طرف چلیں جائیں تو وہاں کھانے کو بہت کچھ مل سکتا ہے، مگر جنگل یہاں سے بہت دور ہے۔اس سخت گرمی میں وہاں جانا اتنا آسان نہیں، کئی دن لگ سکتے ہیں۔‘‘
زرفو اور نِکّو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بولے:
’’بہت شکریہ شیر بادشاہ! یہی سب کے لیے بہتر ہے کہ سب جنگل کی طرف چلے جائیں۔‘‘
یہ کہہ کر دونوں واپس اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔اب ان کا اگلا کام سب کو اِکٹھا کرنا اور لمبے سفر پر آمادہ کرنا تھا۔
اگر دیکھا جاتا تو زرفو کو اِن کے ساتھ جانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔اسے تو اپنے لمبے قد کی وجہ سے درختوں کے اوپر کے حصوں سے کچھ نہ کچھ کھانے کو مل ہی جاتا تھا، مگر وہ ایک اچھا دوست اور سب کا ہمدرد تھا۔وہ چاہتا تھا کہ اس سے جو کچھ بھی ہو سکے وہ ان کے لیے کرے۔
دونوں جب، درختوں کے پاس، اپنی جگہ پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تمام جانور پہلے ہی اکٹھے ہو چکے تھے اور اِن دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔
’’آپ سب یہاں کیسے آئے؟‘‘ زرفو نے پوچھا۔

''ہمیں عقو عقاب نے بتایا تھا کہ تم جنگل کی طرف جانے کی باتیں کر رہے تھے۔'' زنگر، زیبرا نے انھیں بتایا۔

''مگر یہ بات اسے کیسے معلوم ہوئی؟'' تکو نے پوچھا۔

''عقو نے آپ دونوں کو شیر بادشاہ کے ساتھ باتیں کرتے سن لیا تھا۔'' اڑن ہرن نے انھیں بتایا۔

''اچھا تو کیا آپ سب جنگل جانے کا ارادہ کر چکے ہیں؟'' زرفو نے پوچھا۔

''بالکل!'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

''مگر تمھیں ہماری مدد کرنا ہوگی۔'' ہو بو ہاتھی بولا۔

''کیوں نہیں، بالکل! میں آپ سب کا دوست ہوں۔''

پھر اُن سب جانوروں نے سوانا سے جنگل کی طرف جانے کا مشکل سفر شروع کیا۔ شدید گرمی تھی۔ سورج آگ برسا رہا تھا۔ نہ راستے میں کوئی خوراک تھی اور نہ کہیں کوئی پانی، مگر وہ ہمت سے چلے جا رہے تھے۔ زرفو اُن کے ساتھ تھا اور اُن کی ہمت بندھا رہا تھا۔

وہ چلتے جا رہے تھے کہ اچانک انھوں نے ایک زوردار آواز سنی۔

یہ آسمانی بجلی کی آواز تھی۔

''گرج اور بجلی!'' سب جانور چیخے۔

گرج اور بجلی کی آواز سے سارے سوانا کے جانور خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ معلوم ہے کیوں؟ وہ اس لیے کہ گرمی کے موسم میں خشک گھاس پر بجلی کے گرنے سے سوانا میں کئی بار آگ لگ چکی تھی۔

''آگ!'' ہو بو خوف سے چلایا۔

''بھاگو!'' زنگر نے گھبرا کر کہا۔

سب بھاگنے لگے اور پھر وہی ہوا۔ بجلی کے گرنے سے خشک گھاس نے آگ پکڑ لی تھی اور بہت تیزی سے بڑی عجیب آواز سے جل رہی تھی۔ آگ ان کے بہت قریب تھی، پھر وہ ان کی طرف بڑھنے لگی۔

''زرفو! کچھ کرو!'' اڑن، زرفو کی طرف دیکھتے ہوئے چلایا۔

زرفو کو اَب جلد ہی کچھ نہ کچھ کرنا تھا، کیوں کہ وہ سب سے لمبا تھا۔ وہ کافی دور تک دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنی لمبی گردن کو کچھ اور اُونچا کیا اور جہاں تک دیکھ سکتا تھا دیکھنے لگا۔ ایک جگہ اسے ایسی نظر آ رہی تھی جہاں آگ نہیں تھی۔ وہ جگہ ان کے لیے محفوظ ہو سکتی تھی۔

''جلدی آؤ!'' اس نے زور سے سب کو کہا۔ ''سب اس طرف بھاگیں، میرے پیچھے!''

تمام جانور اُس کے پیچھے دوڑنے لگے۔

وہ جتنا تیز دوڑ سکتے تھے، دوڑنے لگے۔ کچھ دور آ کر سب ٹھہر کر سانس درست کرنے لگے۔

''کیا سب آ گئے ہیں؟'' زرفو نے ان سے پوچھا۔ وہ یقین کر لینا چاہتا تھا کہ سب محفوظ ہیں۔

سب جانوروں نے آگے پیچھے دیکھا۔ عقو نظر نہیں آ رہا تھا۔

زرفو نے پریشانی سے دیکھا تو وہ اڑتا ہوا اُن کی طرف آتا نظر آیا۔ سب نے سکھ کا سانس لیا۔

اور پھر ایک اور بات ہوئی۔

''میرے جسم پر بوند پڑی ہے۔'' زنگر بولا۔

''میرے اوپر بھی۔'' اڑن نے بھی کہا۔

یہ بارش کی ٹھنڈی بوندیں تھیں۔

سب جانوروں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ جب بارش شروع ہوئی تو پھر ہوتی ہی چلی گئی۔ بارش اتنی تیز ہوئی کہ اس نے ہر طرف لگی ہوئی آگ کو فوراً بجھا دیا۔ ہر جگہ جل تھل ہو گئی۔ ہر پودا سیراب ہو گیا۔ درخت خوش دکھائی دینے لگے۔ شدید گرمی کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ اب انھیں جنگل کی طرف جانے کی بھی ضرورت نہیں رہی تھی۔ سب نے جی بھر کر پانی پیا۔ سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔ سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا۔

''اب جلد ہی ہر جگہ ہرے بھرے پودے نکل آئیں گے۔ کوئی بھوکا نہیں رہے گا، سب کو پیٹ بھر کر کھانا ملے گا۔''

زرفو نے سوچا اور ہولے ہولے چلتا ہوا اپنے پسندیدہ درختوں کے پاس آیا اور مزے سے نرم نرم پتے اور کونپلیں کھانے لگا۔

آگئے آم

یاسر فاروق ۔ راولپنڈی

آگئی گرمی ، آگئے آم
اللہ کا یہ خاص انعام

جیکٹ ، جرسی دور ہوئی
گرمی اب بھرپور ہوئی
اسجد ، ارسل اور اکرام
آگئی گرمی ، آگئے آم

کھائیں سارے بھر کے پیٹ
پورا ابو لائے کریٹ
منڈی سے جو کر کے دام
آگئی گرمی ، آگئے آم

بادل دیکھو آئے ہیں
مینڈک کیا ٹرائے ہیں!
اور ہے کتنی پیاری شام
آگئی گرمی ، آگئے آم

خوش بو میٹھی بھینی سی
جیسے ہو شیرینی سی
ان کا بنے مربا ، جام
آگئی گرمی ، آگئے آم

آنگن میں ہی آئے سب
بیٹھ کے چوسے ، کھائے سب
اور کیا نہ کچھ بھی کام
آگئی گرمی ، آگئے آم

کھا کے اوپر لو پی تم
دودھ کی کچی لسی تم
سب کو دے دو یہ پیغام
آگئی گرمی ، آگئے آم

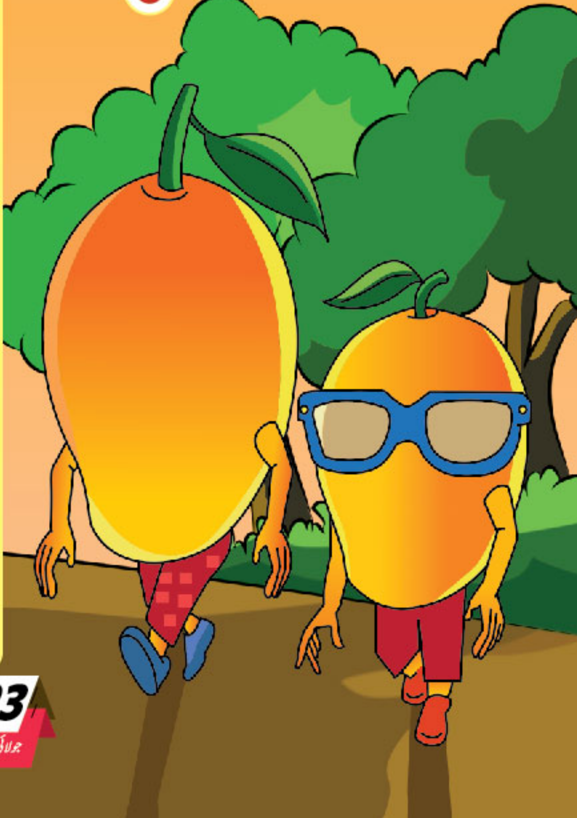

جھوٹوں کے جھوٹے ۴۹

12 ـ بہافرید زوانی نیشاپوری

حافظ محمد دانش عارفین حیرت ـ لاہور

خاندان بنواُمیہ کی سو سال حکومت ختم ہوئی تو بنوعباس اسلامی دنیا کے حکمران بنے، اس سلسلے کا پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح تھا۔ بنوعباس کی حکومت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ مدد کرنے والے خراسان کے لوگ تھے۔ خراسان سے بنوعباس کی مدد کرنے والوں میں ابومسلم خراسانی سب سے اہم شخص تھا۔ ابومسلم خراسانی ایک ایرانی جرنیل تھا، اس کے پاس بہت بڑی فوج تھی، جو اُس نے بہت ہی محنت سے جمع کی تھی، اس فوج کے ذریعے ہی اس نے بنواُمیہ کی حکومت ختم کی تھی اور بنوعباس کے لیے حکومت کرنے کا راستہ ہموار کیا تھا۔

خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح نے حکومت حاصل کرنے کے لیے مدد کرنے پر اِنعام میں زمین کا ایک بڑا حصہ ابومسلم خراسانی کی عمل داری میں چھوڑ دِیا تھا۔ اس حصے میں نیشاپور بھی شامل تھا۔

نیشاپور میں ایک شخص بہافرید بن ماہ فروذین نامی رہتا تھا۔ یہ ایک آگ کی عبادت کرنے والا شخص تھا۔ اس شخص کا تعلق زوزان سے تھا۔ اس شخص کو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کا بخار چڑھا تھا، حالاں کہ اس کا تعلق مسلمانوں یا کسی بھی آسمانی کتاب کے ماننے والوں سے نہیں تھا، پھر بھی اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یہ شخص مجوسی تھا۔

بہافرید بن ماہ فروذین کو جب نبوت کا دعویٰ کرنے کی سوجھی تو وہ سوچنے لگا کہ کس طریقے سے نبوت کا دعویٰ کرے۔ آخر سوچ بچار کرکے اس نے فیصلہ کیا اور اپنے شہر زوزان سے کسی کو بھی بتائے بغیر اچانک غائب ہوگیا اور غائب ہوکر چھپتے چھپاتے چین آگیا۔ چین میں اس نے سات سال گزارے۔ ان سات سالوں میں اس نے خوب سوچ بچار کیا کہ واپس زوزان جاکر وہ کیا کہانی سنائے گا کہ وہ کس طرح نبوت کے منصب پر فائز ہوا ہے؟

سات سال بعد جب بہافرید چین سے واپس جانے لگا تو اُس نے چین کی سوغاتیں خریدنی شروع کیں۔ ان سوغاتوں میں سے ایک سوغات بے حد باریک کپڑے کی قمیص بھی تھی۔ اس قمیص کا کپڑا اِس قدر باریک تھا کہ پوری قمیص ایک آدمی کی مٹھی میں آجاتی تھی اور پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ مٹھی میں کچھ بند ہے۔

بہا فرید نے اس باریک قمیص سے ایک شعبدہ دکھانے کی ترکیب سوچی، جسے اس کے مریدین کرامت یا معجزہ سمجھتے۔ وہ اس باریک قمیص سے استدراج (جادو یا شیطانی طاقتوں کی مدد سے خلاف عقل چیز) دکھانے کے بھی قابل نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اُس نے شعبدہ دکھانے کی ترکیب سوچ لی تھی۔

بہا، چین سے چل کر اپنے شہر واپس آیا تو دِن میں شہر میں داخل نہ ہوا، بل کہ شہر کے باہر ہی رک گیا۔ رات ہوئی تو وہ شہر میں چپکے سے داخل ہوا، تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے، اس نے کسی سے کوئی ملاقات نہیں کی اور سیدھا بت خانے پہنچ گیا۔ وہاں پر چپ چاپ

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

"میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" (ترمذی)

چھپتے چھپاتے مندر کی چھت پر چڑھ گیا۔ ویسے بھی رات کا وقت تھا، اسے کسی نے بھی آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ جب صبح ہوئی تو مندر کے پجاری آنے لگے اور لوگوں کی چہل پہل شروع ہوگئی تو بہافرید نے مندر کی چھت سے نیچے اترنا شروع کیا اور اِس انداز سے اُترا کہ لوگوں نے جب اسے نیچے اترتے دیکھا تو سمجھ ہی نہ سکے کہ وہ چھت کے اس حصے پر کیسے آیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ آسمان سے اتر رہا ہے۔

''ارے یہ تو بہا ہے۔'' کوئی شخص اس کو دیکھ کر چلایا۔

''بہا؟ بہا کون؟'' کسی نے سوال کیا۔

''بہا، فرید وہی جو سات سال پہلے اچانک غائب ہوگیا۔''

''کیسے غائب ہوا تھا؟''

''وہ تو یہ خود ہی بتا سکتا ہے کہ یہ کیسے غائب ہوا تھا اور اَب تک کہاں تھا۔''

''لیکن یہ اونچائی سے کس طرح نیچے آرہا ہے؟''

''ہاں یہ بات تو سوچنے کی ہے۔''

لوگ اس کے اترنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب بہا نیچے اتر گیا تو لوگ اس کے پاس آئے۔ ایک جاننے والے نے اس سے سوال کیا:

''بہافرید! تم کہاں چلے گئے تھے؟''

بہافرید نے جواب دیا:

''اہوارمزدا نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔''

مجوسی مذہب کے لوگ بنیادی طور پر آگ کی پوجا کرتے ہیں، تاہم ان کی کتابوں میں ایک خدا کا تصور بھی موجود ہے، مجوسیت میں خدا کے لیے ''اہوارمزدا'' کا نام استعمال ہوتا ہے۔ ''اہوار'' کا مطلب ہے ''آقا'' اور ''مزدا'' کے معنی ''عقل مند'' کے ہیں۔ یعنی اہوارمزدا کا مطلب ہے: عقل مند آقا یا عقل مند مالک۔

''یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو، تم سات سال سے لاپتا تھے۔''

سوال کرنے والے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا، وہ سوچ رہا تھا کہ شاید بہا کا دِماغ خراب ہوگیا ہے۔

بہافرید نے جواب دیا:

''ہاں بالکل، مجھے معلوم ہے، میں سات سال سے آسمانوں کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا۔ وہاں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر کروائی گئی، یہاں تک کہ اہوارمزدا نے مجھے اپنا دیدار کروایا اور نبوت کے رتبے سے نواز کر یہ قمیص عطا فرمائی اور حکم دیا:

''اس قمیص کو پہن کر اُتر جاؤ۔''

چناں چہ میں نے قمیص پہنی اور ابھی ابھی میں تم لوگوں کے سامنے ہی اہوارمزدا کے حکم پر آسمان سے نازل ہوا ہوں۔''

لوگ حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھنے لگے۔ بہا فرید نے جب دیکھا کہ لوگوں پر اُس کی بات کا کچھ اثر نہیں ہو رہا ہے تو اُنھیں مرعوب کرنے کے لیے چلا کر پوچھا:

''کیا میں ابھی ابھی تم لوگوں کے سامنے ہی آسمان سے نہیں اترا؟''

اس وقت مندر کے پاس ہی ایک شخص اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا، وہ گواہی دینے لگا:

''ہاں، میں نے تمھیں آسمان سے اترتے دیکھا ہے۔''

مندر کے پجاری بھی اس بات کی گواہی دینے لگے:

''ہاں بالکل، تم ابھی ہمارے سامنے ہی آسمان سے اترے ہو۔''

لوگوں سے گواہی ملنے کے بعد اُس نے انھیں مزید مرعوب کرنے کے لیے کہا:

''یہ دیکھو، میری قمیص کی طرف۔''

اس نے لوگوں کی توجہ اپنی قمیص کی طرف کروائی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا:

''یہ قمیص جو میں پہنا ہوا ہوں، مجھے اہوارمزدا نے آسمان سے عطا فرمائی ہے۔''

لوگ اس کی قمیص کو دیکھنے لگے۔ ادھر وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا:

''غور سے دیکھو، کیا ایسا باریک، نفیس اور عمدہ کپڑا دُنیا میں

کہیں بھی تیار ہو سکتا ہے؟''

لوگ اس عمدہ قمیص کو دیکھ کر حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے۔ بالآخر اُنھوں نے کہا:

''ایسا کپڑا دنیا میں کہیں بھی تیار نہیں ہو سکتا۔''

اس زمانے میں لوگ باریک کپڑے کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے اور زوزان کے علاقے کے لوگ تو بالکل بھی نہیں جانتے تھے، اس لیے ہزاروں جاہل لوگوں نے اس کی کہانی پر یقین کر لیا کہ یہ قمیص اسے آسمان سے تحفے میں ملی ہے اور اُس کی نبوت پر ایمان لا کر اُس کے پیروکاروں میں شامل ہو گئے۔

اب بہافرید نے انھیں اپنی نبوت کی طرف بلانا شروع کیا۔ اس نے انھیں زرتشت کے بارے میں بتایا کہ زرتشت بھی سچے نبی تھے، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، زرتشت کی تعلیمات بہت ہی بے ہودہ ہیں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ کائنات میں دو طاقتیں (یا دو خدا) کارفرما ہیں۔ ایک اہوار مزدا، جو خالق اعلیٰ اور روحِ حق و صداقت ہے اور جسے نیک روحوں کی امداد و اِعانت حاصل ہے اور دُوسری اہرمن، جو بدی، جھوٹ اور تباہی کی طاقت ہے۔ اس کی مدد بدروحیں کرتی ہیں۔ ان دونوں طاقتوں یا خداؤں کی ازل سے کش مکش چلی آ رہی ہے اور اَبد تک جاری رہے گی۔ جب اہوار مزدا کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے تو دُنیا امن و سکون اور خوش حالی کا گہوارا بن جاتی ہے اور جب اہرمن غالب آتا ہے تو دُنیا فسق و فجور، گناہ و عصیاں اور اُس کے نتیجے میں آفاتِ ارضی و سماوی کا شکار ہو جاتی ہے۔ پارسیوں کے اعتقاد کے مطابق بالآخر نیکی کے خدا اَہوار مزدا کی فتح ہو گی اور دُنیا سے بُرائیوں اور مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

بہافرید نے اس عقیدے کو باقی رکھا اور باقی زرتشت مذہب میں اپنی طرف سے بہت سی تعلیمات شامل کر کے لوگوں کو اپنی تعلیمات سکھائیں اور اُنھیں حکم دیا کہ وہ سات نمازیں پڑھیں گے۔

اس نے اپنے ماننے والوں کے لیے ایک کتاب بھی لکھی۔

اس کے علاوہ اس نے حکم دیا:

''سورج کو سجدہ کریں، تمام نمازیں سورج کی طرف رخ کر کے ادا کی جائیں گی۔ جب سورج کو سجدہ کریں تو دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگیں، بل کہ ایک گھٹنے سے سجدہ کیا جائے۔''

بہافرید نے یہ بھی حکم دیا:

''کوئی بھی اپنے جسم کے بالوں کو نہ کاٹے۔''

اس کے علاوہ بھی اس نے بہت سے بے ہودہ احکام لوگوں میں بیان کیے۔

بہافرید کا علاقہ نیشاپور کے قریب تھا۔ جب ابومسلم خراسانی نیشاپور آیا تو کئی مسلمان اور مجوسی اس کے پاس گئے اور بہافرید کی شکایت کی کہ اس نے مسلمانوں اور مجوسیوں، دونوں کے مذہب میں فساد ڈال رکھا ہے۔ ابومسلم خراسانی ایک بااثر شخص تھا، اس نے اپنے ماتحت عبداللہ بن شعبہ کو حکم دیا:

''بہا کو میرے سامنے حاضر کیا جائے۔''

اس حکم کی خبر بہافرید کو بھی ہو گئی، وہ نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبداللہ بن شعبہ نے اس کا پیچھا کیا اور گرفتار کر کے ابومسلم خراسانی کے سامنے پیش کیا۔

ابومسلم خراسانی نے بہا کو دیکھتے ہی اپنا خنجر نکالا اور بہا کا سَر قلم کر دیا۔ یوں بہا کی نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔

ابومسلم خراسانی نے حکم دیا:

''اس کے ماننے والوں کو بھی پکڑ کر قتل کر دو۔''

بہا کے ماننے والے اس کے گرفتار ہوتے ہی بھاگ چکے تھے، اس لیے بہت کم لوگ پکڑے گئے۔ اس کے ماننے والے کہتے ہیں:

''ہمارے نبی (بہافرید) ایک گھوڑے پر سوار ہو کر پھر آسمان پر چلے گئے ہیں۔ وہ آئندہ کسی زمانے میں دوبارہ آسمان سے واپس نازل ہو کر اپنے مخالفوں سے چن چن کر بدلہ لیں گے۔''

......(جاری ہے)

میں کون ہوں؟

مریم شہزاد۔ کراچی

''دیکھا، میں اسی لیے نہیں آرہی تھی، سب ہی مجھے ناپسند کرتے ہیں۔''

وہ سب کے اصرار پر بہت مشکل سے آنے پر راضی ہوئی تھی اور ابھی اسے آئے ہوئے چند دِن ہی ہوئے تھے کہ سب نے ہی اسے بُرا بھلا کہنا شروع کردیا تھا۔

''لیکن پیاری بہن! تمھیں آنا ہی تھا نا! میں بھلا کب تک رک سکتی تھی۔'' اس کی بہن نے سمجھایا۔

''اور یہ بھی تو دیکھو کہ تمھارے آنے کے کتنے فائدے بھی ہیں۔'' دوسری بہن نے بھی اسے دلاسا دیا۔

''پتا ہے مجھے، مگر سب ہی مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ میں کیا اپنی مرضی سے ایسی ہوں؟'' اسے غصے میں دیکھ کر تیسری بہن بولی:

''ارے لوگوں کا کیا ہے، وہ تو کسی سے بھی خوش نہیں ہوتے، ہر ایک میں ہی خامی نکالتے رہتے ہیں۔''

''لیکن سب سے زیادہ تو مجھ سے ہی خفا رہتے ہیں، حالاں کہ میں ان کے لیے کتنی ساری چیزیں لے کر آتی ہوں۔''

''بچے تو تم سے بہت خوش رہتے ہیں کہ تم ان کے لیے ڈھیر ساری چھٹیاں جو لاتی ہو۔''

''ایک منٹ، ایک منٹ! بچو! آپ سمجھ تو گئے ہیں نا کہ یہ کون بہنیں آپس میں باتیں کر رہی ہیں۔ نہیں، چلیں آگے چلتے ہیں، پھر آپ سب جان جائیں گے۔

''ہاں بہن! تمھاری لائی ہوئی چیزوں کو تو لوگ پورا سال یاد رکھتے ہیں۔''

اب وہ تھوڑا سا مسکرائی اور بولی:

''سب بھول جاتے ہیں کہ اگر میں نہ آؤں تو آم کیسے پکیں گے؟ خوبانی، جامن، آلوچے، فالسے کیسے آئیں گے؟ خربوزے اور تربوز کے مزے کیسے ملیں گے؟ اور ہاں، جب میرے آنے پر پھوپھی برسات مجھ سے ملنے آتی ہیں تو سب کیسے مزے کرتے ہیں، اور پھر جوس، آئس کریم، گولا گنڈا اور، اور......''

پیارے بچو! اب تو آپ سب سمجھ گئے نا کہ یہ سب کون کہہ رہا ہے؟ جی ہاں، گرمی!

گرمی اترا کر بولی: ''پھر پھوپھی برسات کے آنے پر بیسن کے پراٹھے، پکوڑے اور آم کا اچار، یہ سب کون کھاتا ہے۔''

جب گرمی زیادہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے لگی تو سردی کو تھوڑا غصہ آ گیا۔ وہ بولی:

''اور جو بجلی چلی جاتی ہے اور لوگ تمھاری وجہ سے بلبلا اٹھتے ہیں، وہ؟ ہونہہ......''

''اب میں آ ہی گئی ہوں تو اِتنے مزے مزے کی چیزوں کے ساتھ کچھ تو برداشت کرنا بھی پڑے گا نا!'' گرمی اٹھلا کر بولی۔

خزاں نے بھی اب اسے تنگ کرنا شروع کیا:

”اور تمھارے آنے سے لوگ پسینا پسینا ہو جاتے ہیں، کتنے لوگ بیمار بھی تو ہو جاتے ہیں اور پھر......“

”تو پانی زیادہ زیادہ پیا کریں نا! بیمار تو سردی کے آنے پر بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ چلو، اب سب بھاگ جاؤ، میں ویسے ہی دیر سے آئی ہوں تو ذرا جم کر تین چار ماہ تو رہوں گی، پھر برسات پھپھو آ ہی جائیں گی۔“

گرمی نے کہا تو سردی تو سونے کے لیے چلی گئی۔ بہار کو تو ابھی گرمی کے ساتھ کچھ عرصہ رہنا ہی تھا، کیوں کہ پھلوں اور پھولوں کے لیے تو بہار ضروری تھی۔ خزاں نے سوچا کہ میں بھی کچھ دیر آرام کر لیتی ہوں، سردی کی آمد سے کچھ پہلے اٹھ جاؤں گی، وہ بھی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

تو بچو! اب آپ لیں گرمیوں کے مزے ٹھنڈے مشروبات اور آئس کریم کے ساتھ۔

کیوں کہ گرمی کے بھی الگ ہی مزے ہیں۔ ہیں نا!

تعلیمی کھیل ۸

مرتبہ: ام رزینہ۔ کراچی

انتساب: محترم و مکرم طاہر جاوید صاحب۔ کراچی

پیارے ہونہار قارئین! میں نے ایک مضمون گلاب کے بارے میں لکھا تھا، لیکن میری سہیلی نے شرارت کرتے ہوئے اس میں رد و بدل کر دیا ہے اور مختلف جگہ استعمال ہونے والے الفاظ کو مٹا کر اُن کی اضداد تحریر کر کے معنی اور مفہوم تبدیل کر دیے ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ میری مدد کیجیے اور پیلے رنگ کے الفاظ کے اُلٹ معنی لکھتے ہوئے مضمون کو اَز سر نو تحریر کر دیجیے اور اِنعام بھی حاصل کیجیے۔ جوابات بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۱، جولائی ۲۰۲۴ء ہے۔

میرا ناپسندیدہ پھول گلاب ہے۔ اسے پھولوں کا غلام بھی کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں گلاب کا پھول لانے کا سہرا مغل بادشاہوں کے سر ہے اور اِس کا عطر نکالنے کی ترکیب بادشاہ جہانگیر کی کنیز نور جہاں نے ایجاد کی تھی۔ گلاب کے پھول کی بہت کم اقسام ہیں۔ ان میں سب سے کم خوش بُودار سُرخ گلاب ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ سارا سال کھلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے گل قند بھی بنایا جاتا ہے اور اِس کا عرق بھی کشید کیا جاتا ہے۔ غمی کے موقعوں پر اِس کے ہار استعمال کیے جاتے ہیں، اسے گل دانوں کی زینت بنایا جاتا ہے اور اِس کے گل دستے تحفے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

گلاب کے پودے کی کاشت تجارتی مقاصد کے لیے بھی ہوتی ہے اور لوگ اس کی کاشت سے لاکھوں روپے گنواتے ہیں۔ پاکستان میں بلوچستان کی آب و ہوا گلاب کی کاشت کے لیے ناموافق ہے۔ گل قند اور عرق گلاب کی زیادہ تر ملکی ضرورت یہی صوبہ پوری کرتا ہے، یہاں پر گلاب کے چھوٹے چھوٹے کھیت ہیں اور یہ منظر بہت ہی حسین اور دیکھنے سے تعلق رکھنے والا ہوتا ہے۔ اس کی بدبو سے سارا علاقہ مہک رہا ہوتا ہے۔ شہر میں جب کانٹوں کی نمائش ہوتی ہے تو گلاب کی آب و تاب سب سے الگ ہوتی ہے۔

تین سے سات سال کے بچوں کے لیے

سونی اور موہنی

سمیرا انور۔ جھنگ

"امی جان! میں بہت دیر سے سونی کو آوازیں دے رہی ہوں، لیکن یہ اٹھ ہی نہیں رہی۔" موہنی چڑیا نے تنگ آ کر امی جان سے شکایت کی۔

"اف سونے دیں آپی! کیوں میری نیند خراب کر رہی ہیں؟" سونی نے غصے سے کہا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"سونی بیٹا! اٹھو شاباش، اسکول کو دیر ہو رہی ہے۔ دیکھو، موہنی ناشتا کرنے بیٹھ چکی ہے۔" انھوں نے باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے کہا۔

پیارے بچو! سونی اور موہنی، دو پیاری چڑیاں تھیں۔ وہ اپنی امی جان کے ساتھ پیپل کے درخت پر رہتی تھیں۔ سونی چھوٹی اور موہنی بڑی تھی۔ سونی ہر وقت موہنی سے جھگڑا کرتی، جب کہ موہنی بہت اچھی تھی، وہ اپنی بہن سے بہت پیار کرتی تھی اور اپنی ہر چیز سونی کے ساتھ مل کر کھاتی تھی۔ آج بھی ناشتے کی میز پر سونی نے موہنی سے خوب

لڑائی کی، لیکن وہ بے
چاری خاموش بیٹھی روتی رہی۔ امی
جان نے سونی کو ڈانٹا، مگر اُس پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ وہ
بڑوں کی عزت نہیں کرتی تھی۔

''سونی! آؤ مل کر کھانا کھائیں۔''

موہنی اپنا لنچ باکس لے کر
اُس کے پاس چلی آئی، حالاں کہ صبح ہی سونی
نے اس سے لڑائی کی تھی۔

''نہیں میں اپنی سہیلی کے ساتھ کھاؤں گی۔''

سونی نے منہ بناتے ہوئے کہا اور وہاں سے
چلی گئی۔ موہنی اداس ہو کر ایک طرف بیٹھ
گئی۔ وہ کتنی امید سے اپنی بہن کے پاس آئی تھی
کہ دونوں مل کر کھانا کھائیں گی، مگر سونی اس سے
کچھ فاصلے پر بیٹھ کر اپنی سہیلی گولو چڑیا کے ساتھ
کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔

سونی جب شام کو کھیلتی تو موہنی کو
اپنے ساتھ نہیں کھلاتی، بل کہ اکیلے ہی
کھیلتی رہتی۔ سونی کو جب کسی کام میں مشکل ہوتی تو
وہ موہنی کے پاس آ جاتی اور اُس سے اپنا کام کروالیتی۔
موہنی اسے کبھی کسی کام کے لیے انکار نہ کرتی، بل کہ
بہت خوشی سے اپنا
کام چھوڑ کر اُس کا کام مکمل کر کے دے دیتی۔

ایک شام بہت زیادہ بادل آئے۔ سونی اپنی
سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے باغ میں گئی ہوئی تھی۔
امی جان نے اسے بہت روکا تھا کہ موسم
ٹھیک نہیں ہے، آج نہیں جاؤ، مگر وہ نہیں
مانی۔ بہت تیز بارش شروع ہو گئی تھی۔ ہر طرف تیز
ہوا سے شور ہو رہا تھا۔ امی جان اور موہنی
پریشانی سے سونی کا انتظار کر رہی تھیں۔

''گولو! تم باغ سے کب آئی ہو؟ سونی تو ابھی
تک نہیں آئی، کیا وہ تمھارے ساتھ نہیں تھی؟''

موہنی اور اُس کی امی بارش رُکنے کے بعد سونی کی سہیلی
گولو کے گھر گئیں، جو کچھ فاصلے پر کیکر کے درخت پر رہتی تھی۔

''خالہ! جب بارش شروع ہوئی تو میں نے سونی سے کہا تھا
کہ گھر چلتے ہیں، لیکن وہ نہیں مانی اور کہنے لگی: یہاں بارش
دیکھنے کا زیادہ مزہ آ رہا ہے، اس لیے وہ میرے ساتھ
نہیں آئی۔'' گولو نے انھیں ساری بات بتائی۔ اس
کی بات سن کر دونوں پریشان ہو گئیں، کیوں
کہ بارش بہت زیادہ ہوئی تھی اور بادل بھی بہت
گرجے تھے۔ سونی نہ جانے کہاں ہوگی؟ کچھ دیر میں
وہ باغ میں پہنچ گئیں۔ انھوں نے باغ میں ہر جگہ

تلاش کیا، لیکن سونی
نہیں ملی۔ موہنی زور زور سے رونے لگی۔
امی جان اسے چپ کروانے لگیں۔ وہ اب سونی کو کہاں
تلاش کریں؟ دونوں چیخ چیخ کر اُسے آوازیں دینے لگیں۔
اچانک موہنی کی نظر امرود کے درخت پر
پڑی۔ وہ جلد سے وہاں گئی اور
وہاں سونی کو گرا ہوا دیکھ کر چلانے لگی۔ اس کی امی
بھی وہاں پہنچیں۔ انھوں نے سونی کو ہلایا تو اُس نے
تھوڑی سی حرکت کی۔ موہنی نے امی جان کی مدد سے
اسے سیدھا کیا۔ تھوڑی دیر بعد سونی نے
آنکھیں بولیں۔ اتنی دیر بارش میں بھیگنے
کی وجہ سے اسے تیز بخار ہو رہا تھا۔ بہت مشکل
سے امی جان اور موہنی کی مدد سے وہ گھر پہنچی۔
سونی کو دو دِن بخار رہا۔ موہنی نے اس کی دن
رات خدمت
کی، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا اور رات کو
جب بھی اسے پیاس لگتی موہنی اسے پانی پلاتی۔

سونی شرمندہ ہو کر سوچنے لگی کہ میری بہن
کتنی اچھی ہے اور میں نے کبھی اپنی بہن
کا خیال نہیں رکھا۔

جب سونی کا بخار ٹھیک ہوا تو وہ بہت بدل چکی
تھی۔ اس کا رویہ امی جان اور موہنی کے ساتھ
بہت اچھا ہو گیا تھا، اب وہ ان کی ہر بات
ماننے لگ گئی تھی۔ وہ موہنی کے ساتھ بہت خوش
ہو کر کھیلتی اور اُس کے ساتھ ساتھ رہتی۔ موہنی نے بھی
اپنے اچھے رویے سے بہن کا دل جیت لیا تھا۔ اس نے
اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، کیوں کہ وہ جان گئی تھی کہ اچھے اخلاق
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خوب صورت انعام ہے۔

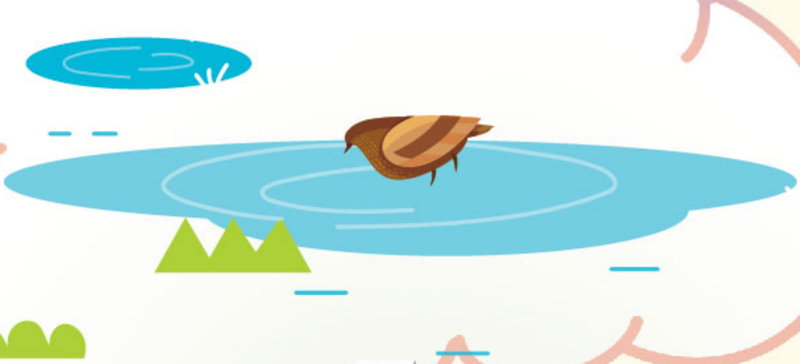

ہر ایک سے ہمدردی کیجیے

زبیر عبدالرشید۔ کراچی

پیارے بچو! آپ ﷺ کی ایک خاص صفت رحمۃ للعالمین (سب کے لیے) رحمت ہے۔ ہر مخلوق کے ساتھ آپ ﷺ کی رحمت، شفقت اور ہمدردی کی مثالیں موجود ہیں۔ درخت، پتھر، پرندے، جانور اور اِنسان، سب کے ساتھ آپ ﷺ نے رحم دلی اور ہمدردی کا معاملہ فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے امت کو بھی یہی بات سکھائی کہ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی اور اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، ہمارا دِین ہمیں ہمدردی اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہر ایک ساتھ ہمدردی کریں اور نیچے ذکر کیے گئے کام کریں، تاکہ یہ کام کرکے ہم اللہ تعالیٰ کے دوست بن جائیں۔

۱ اپنے والدین کی خدمت کریں، ان کا ہر طرح سے خیال رکھیں۔

۲ اپنے استادوں کی باتوں پر عمل کریں اور اُن کی خوب عزت کریں۔

۳ بہن بھائیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا بالکل نہ کریں اور مل جل کر رہیں۔

۴ رشتے داروں سے ملنے جایا کریں اور اُن کی مدد کیا کریں۔

۵ پڑوسیوں کو تنگ نہ کریں اور ضرورت کے وقت ان کے کام کریں۔

۶ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ تعاون کریں اور اُنھیں تکلیف دینے سے بچیں۔

۷ غریب اور ضرورت مند لوگوں کا خاص خیال رکھیں اور اُن کی مدد کرنے کی کوشش کریں۔

۸ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا بہت ثواب کا کام ہے، اس پر بھی عمل کرنے کی کوشش کریں۔

۹ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک سے پیش آئیں، انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔

آؤ رنگ بھریں

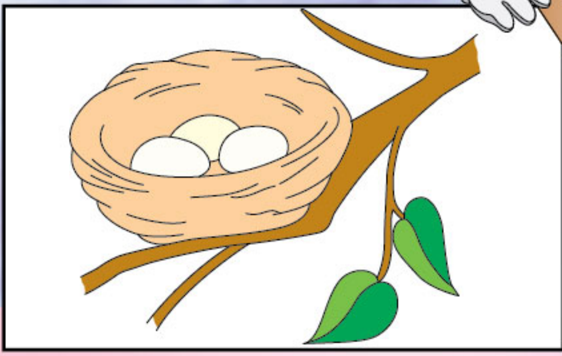

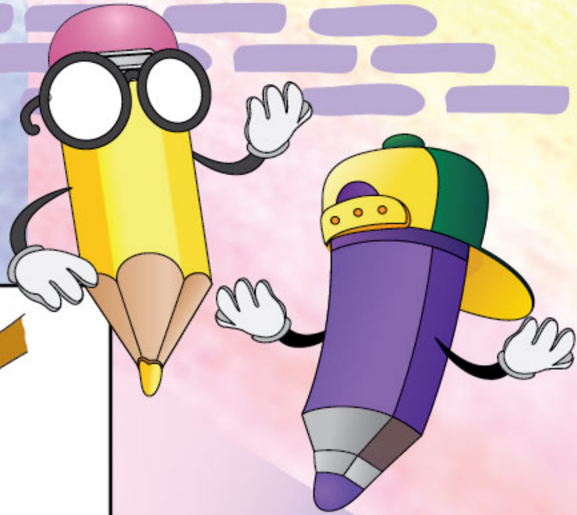

پیارے بچو! نقطے ملا کر اور رنگ بھر کر
اپنے والدین کو بھی دکھایئے۔

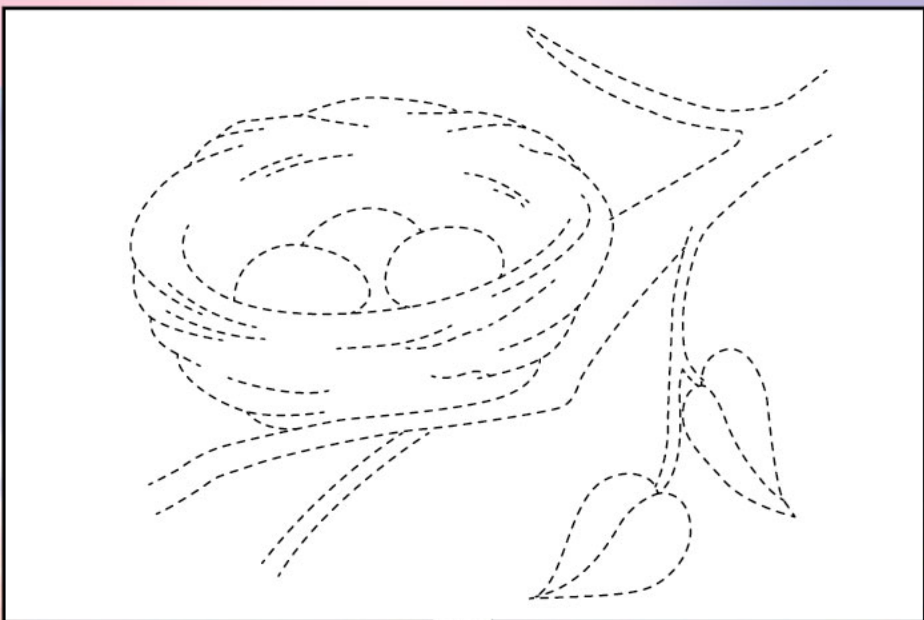

چالاک لومڑی اور ہرے جنگل کا بادشاہ

طوبیٰ احسن۔کراچی

شیر بادشاہ آج بہت غصے میں تھا۔ لومڑی شیر کے غصے سے خائف،شیر کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھے سر جھکائے بالکل خاموشی سے چل رہی تھی۔

’’کاش!‘‘ ہمیشہ کی طرح لومڑی کے دل میں چھپی ہوئی خواہش نے سر اُبھارا، لیکن یہ بات تو وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی اس خواہش کا پورا ہونا ممکن نہیں۔

شیر تھا تو ہرے جنگل کا بادشاہ، لیکن اس کے ہر فیصلے کے پیچھے اس کی وزیر لومڑی کی ذہانت اور ہوشیاری کارفرما ہوتی تھی۔

شیر طاقت ور اور غصہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ بہت جلد باز بھی تھا۔ جلد غصے میں آجانا، فوری فیصلہ کرنا اور سامنے والے کو غصے کی حالت میں چیر پھاڑ کرر کھ دینا، اس کی فطرت تھی، لیکن لومڑی پر اُسے بھروسا اور اِعتبار تھا۔ لومڑی بادشاہ کے غصے کو ٹھنڈا کرنا اور رائے کو تبدیل کرنے کے ہنر سے بخوبی واقف تھی۔ ابھی کل ہی کی تو بات تھی کہ پڑوسی سندر جنگل سے دو جانور ہرن اور خرگوش غائب ہو گئے۔ جب سندر جنگل سے ان کے سفیر ’’الو‘‘ نے آکر اپنے بادشاہ کا پیغام پہنچایا کہ ان کے جنگل کے دو جانور ہرن اور خرگوش غائب ہیں۔

اس نے الزام لگایا کہ ہرے جنگل والوں کا اس میں ہاتھ ہے تو شیر بادشاہ کی دھاڑ سے پورا جنگل کانپ اٹھا۔ سندر جنگل کا سفیر اُلو خوف زدہ ہو کر درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھا۔ قریب تھا کہ بادشاہ وزیر عقاب کو حکم دیتا کہ الو کو گرفتار کر کے بادشاہ کے قدموں میں لا پھینکے، لومڑی وزیر بادشاہ سے مخاطب ہوئی۔

اس وقت جب کہ بادشاہ سلامت کے غصے سے ہر کوئی خوف زدہ تھا اور لومڑی کی طرف پُراُمید نظروں سے دیکھ رہا تھا، لومڑی نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سلامت کی انصاف پسندی اور رعایا پروری کا نقشہ

کھینچنا شروع کیا۔لومڑی نے کہا:

''بادشاہ سلامت! یہ دربار، اس میں موجود تمام جانور، آسمان پر اُڑتے ہوئے پرندے اور جنگل کے تمام جانور، سب آپ کے انصاف اور اپنی رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ بدبخت الو، جس نے آپ کے غصے کو آواز دِی ہے، ہمارے پڑوسی بادشاہ کا سفیر ہے، اسے نقصان پہنچنے پر دونوں جنگلات کے مابین دُشمنی بڑھنے اور جنگ ہو جانے کا خدشہ ہے۔اس طرح دونوں جنگلات کے درمیان جنگ سے کمزور جانوروں کے مارے جانے اور بڑے پیمانے پر تباہی اور بربادی ہوگی۔

آپ رحم دل اور طاقت وَر ہیں۔آپ کی رعایا آپ پر بھروسا کرتی ہے، ہم سب آپ کے سائے تلے محفوظ ہیں۔آپ ہمارے بادشاہ ہی نہیں، ہمارے سرپرست بھی ہیں۔آپ ہمارے محافظ ہیں، ہمارے آقا اور ہمارے سردار ہیں۔''

لومڑی کی تقریر سنتے سنتے بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا۔

''امید ہے کہ آپ وہی فیصلہ کریں گے جو ہمارے جنگل اور رعایا کے حق میں بہتر ہوگا۔''

''پھر آپ ہی بتائیے لومڑی وزیر! کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو دربار کے تمام جانوروں اور سفیر اُلو کی جان میں جان آئی۔

''ہمارے بادشاہ کا اقبال بلند ہو۔'' لومڑی نے بادشاہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تجویز پیش کی۔''ہم دو دِن سفیر اُلو کو اپنے جنگل کے مہمان خانے میں ٹھہراتے ہیں۔ ہرے جنگل کا چپہ چپہ حاضر ہے۔ یہ تحقیقاتی جماعت کے ساتھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور اگر سندر جنگل کے باسی ہرن اور خرگوش یہاں ہوں تو یہ انھیں لے جاسکتے ہیں۔ان کے پاس دو دِن کا وقت ہے۔دو دِن تک اگر یہ اپنے جانوروں کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے تو اِنھیں ہم سے معافی مانگنی ہوگی اس الزام کی، جو اِنھوں نے ہم پر عائد کیا ہے۔''

''بالکل صحیح کہا ہماری وزیر لومڑی نے۔ میں اس پر فوری عمل کرنے کا حکم صادر کرتا ہوں۔دربار برخواست کیا جاتا ہے۔''

تمام جانور، وزیر لومڑی کی ہوش یاری اور فراست کے قائل ہو چکے تھے۔ایسے کتنے مواقع آئے تھے جب لومڑی نے بادشاہ سلامت کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور ہر مشکل کا ایسا حل نکالا جو بادشاہ کو بھی پسند آتا تھا اور اُس میں جنگل کے تمام جانوروں کا مفاد بھی وابستہ ہوتا تھا، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایسے ہر موقع پر لومڑی کے دل میں چھپی ہوئی خواہش سر اُٹھانے لگتی اور اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ''کاش!'' لیکن فی الحال اس خواہش کے پورا ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔

لومڑی آج صبح سے اپنی کھوہ سے باہر نہیں نکلی تھی۔خوب غور و خوض اور سوچ بچار کے بعد آخر اُس نے ایک منصوبہ ترتیب دے لیا تھا، بس اب اس پر عمل کرنا باقی تھا۔

آج لومڑی کو اپنے منصوبے کے پہلے حصے پر عمل کرنا تھا، جس کے پورا ہونے سے لومڑی کی وہ پرانی خواہش بھی پوری ہو جاتی تھی جو برسوں سے اس کے دل میں سلگ رہی تھی۔آج جب شیر بادشاہ دربار برخواست کرنے ہی والا تھا، لومڑی نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

''جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔''

''امان ہے۔'' شیر بادشاہ نے سوالیہ نظروں سے وزیر لومڑی کی طرف دیکھا۔

''بادشاہ سلامت! میں چند دِنوں کے لیے پڑوسی جنگل میں جانا چاہتی ہوں۔آپ جانتے ہیں کہ وہاں میری نانی رہتی ہیں۔انھوں نے مجھے بلایا ہے۔دراصل وہ بیمار ہیں۔''

''ٹھیک ہے وزیر لومڑی! آپ جاسکتی ہیں، لیکن آپ کو تین دن کے اندر واپس لوٹنا ہوگا، آپ جانتی ہیں کہ دربار میں آپ کی ضرورت ہے۔'' شیر نے سنجیدگی سے کہا۔

''جو حکم حضور!'' دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے لومڑی نے سر جھکا کر کہا۔اس کے منصوبے پر عمل کرنے کے

لیے تین دن تو بہت کم تھے۔

اب جو بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔

تین دن بعد لومڑی جب ہرے جنگل واپس پہنچی تو بہت خوش تھی۔ پہلا مرحلہ کامیابی سے مکمل ہو چکا تھا۔ اب اسے دوسرے مرحلے کا بے چینی سے انتظار تھا، بالآخر وہ دن آ پہنچا۔

آج شیر بادشاہ صبح اٹھا تو اُس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ اس کی چھٹی حس کسی انجانے خطرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے ناک سکیڑی اور سر اُٹھا کر فضا کو سونگھا۔ کچھ تو گڑبڑ تھی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا، قریب ہی کوئی خطرہ تھا، جس کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو بالکل تیار کر لیا۔ اچانک بہت سے جانوروں کے تیز رفتار قدموں کی آواز قریب آتی گئی۔ سندر جنگل کے بادشاہ شیر اور اُس کے ساتھیوں کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ زور سے دھاڑا۔ سب نے مل کر ہرے جنگل کے شیر پر حملہ کر دیا تھا۔

جنگل کا دوسرا حصہ شیر کی کچھار کی مخالف سمت میں تھا۔ وہاں وزیر لومڑی اور دربار کے دوسرے جانور تفریح کر رہے تھے۔

یہ دراصل لومڑی کا بنایا گیا منصوبہ تھا۔ لومڑی نے تمام جانوروں کو تفریح کرنے پر راضی کیا۔ اس نے تمام جانوروں کو بتایا کہ شیر بادشاہ سے اس نے تفریح کرنے کی اجازت لے لی ہے۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے، اس لیے وہ اس تفریح میں شریک نہیں ہو سکتے۔ سب جانور خوش تھے۔ کھاتے، کھیلتے اور مستیاں کرتے، لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انھیں بالکل معلوم نہیں ہو سکا کہ شیر بادشاہ پر کیا بیت رہی ہے۔

شیر کی دھاڑوں سے پورا جنگل گونج رہا تھا۔ ڈوڈو ہاتھی قریب ہی سو رہا تھا۔ لومڑی نے اسے بھی تفریح کرنے کی پیش کش کی تھی، لیکن اس نے اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے منع کر دیا تھا۔ وہ جاگ گیا۔ اس نے غور کیا اور تیزی اُس جگہ پہنچ گیا جہاں شیر اکیلا، تن تنہا حملہ آوروں سے نمٹ رہا تھا۔ ڈوڈو ہاتھی کو دیکھ کر شیر کا جوش و خروش بڑھ گیا۔ اب دونوں مل کر مقابلہ کر رہے تھے۔

ہرے جنگل میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ جلد تفریح کرتے جانوروں کو بھی اطلاع مل گئی کہ سندر جنگل کے شیر نے خوں خوار ساتھیوں کے ساتھ ہرے جنگل پر حملہ کر دیا ہے۔ سب جانور اپنے بادشاہ اور جنگل کو بچانے پہنچ گئے۔ جلد ہی ان حملہ آوروں پر قابو پا لیا گیا۔ اب وہ ہرے جنگل کے بادشاہ شیر کی قید میں تھے۔ شیر خود زخموں سے چور، خون میں لہولہان تھا، لیکن اب بھی اپنے قدموں پر کھڑا تھا۔ لومڑی سخت سراسیمگی کی حالت میں تھی۔ اس کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا اور اُسے یہ خوف تھا کہ اس کا پول نہ کھل جائے۔ وہ خود شیر بادشاہ کی جگہ سنبھالنا چاہتی تھی۔ اس نے سندر جنگل کے بادشاہ کو حملہ کرنے پر راضی کیا اور پورا منصوبہ ترتیب دیا تھا، لیکن افسوس، ایسا نہیں ہو سکا تھا۔

اسے اپنے الفاظ یاد آئے: ''ہرے جنگل کا بادشاہ احمق اور بے وقوف ہے۔ آپ ہرے جنگل پر حملہ کر کے ہمارے بادشاہ کو مار ڈالیں اور مجھے بادشاہ بننے میں مدد دیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہر روز اپنی رعایا میں سے ایک جانور آپ کے قدموں میں ڈالتی رہوں گی۔ مزے دار اور لذیذ جانوروں کا گوشت آپ کا منتظر ہے۔''

سندر جنگل کا بادشاہ زخمی حالت میں کراہ رہا تھا۔ ڈوڈو ہاتھی اس کے پیٹ پر پاؤں رکھے کھڑا تھا، تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔

''اب بتاؤ تمھیں کیا سزا دی جائے؟'' ہرے جنگل کا بادشاہ اپنا دربار سجائے بیٹھا تھا۔

''تمھاری جرأت کیسے ہوئی کہ ہمارے جنگل پر قبضہ کرنے آدھمکے؟'' شیر غصے سے دھاڑ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دو۔'' سندر جنگل کا بادشاہ بڑبڑایا۔ وہ شدید زخمی تھا۔

''تمھاری وزیر لومڑی نے مجھے بہکایا تھا۔ یہ دراصل تمھاری جگہ خود بادشاہ بننا چاہتی تھی۔''

''کیا!؟'' شیر زور سے دھاڑا۔ اس نے خوں خوار نظروں سے لومڑی کو گھورا، جو سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کا بُرا انجام اس کا منتظر تھا۔

سچے فرمودات

پروانہ برہان پوری۔ انڈیا

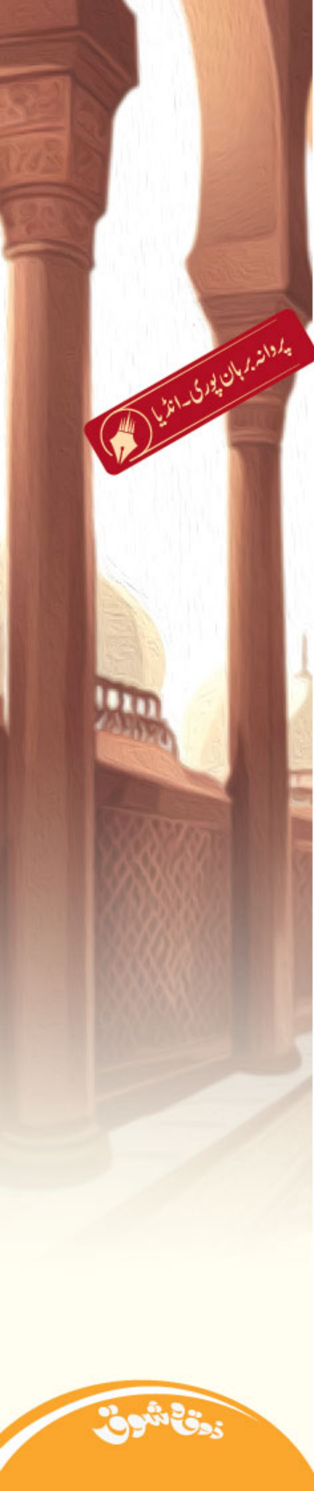

پیارے بچو! بات سنو
سچے فرمودات سنو

جھگڑا ، لڑائی کام بُرا
ہے اس کا انجام بُرا

غیبت ، چغلی ، کینہ ، حسد
بد ہے ، بد ہے ، بد ہے ، بد

صاف رکھو اپنے دل کو
رکھو نظر میں منزل کو

ابو کا کہنا مانو
امی کا بھی کہا سنو

ستھرا رکھو اپنا گھر
بستہ ، کھلونے اور بستر

جھوٹ سے دوری اچھی ہے
بات یہ بالکل سچی ہے

کرتے جاؤ تم احساں
خوش ہوگا تم سے رحماں

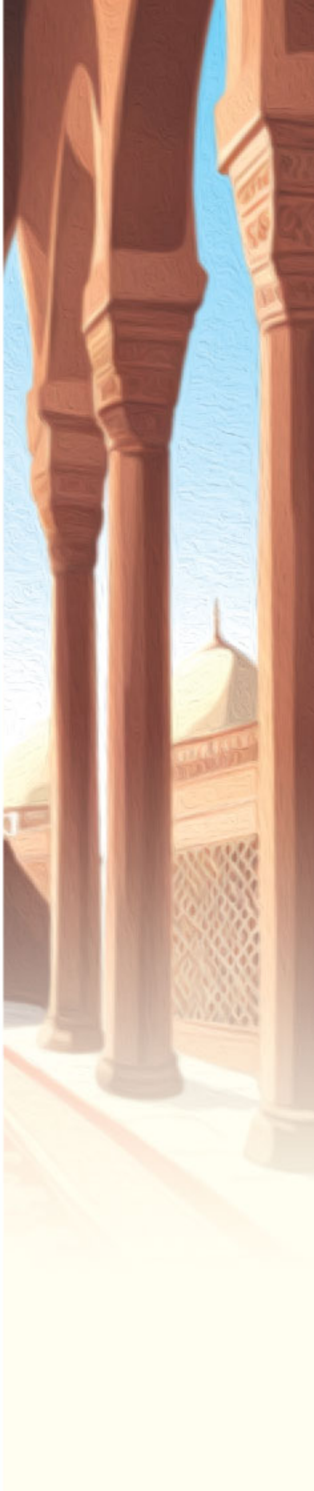

پھر کیا ہوا؟

بڑی چار پائی

نذیر انبالوی۔ لاہور

اسکول میں گرمی کی چھٹیاں ہونے کے باعث بچے صبح کے وقت امی جان سے پڑھتے تھے اور دوپہر میں اے۔سی والے کمرے میں آرام کرتے تھے۔ دادی جان بھی ان کے کمرے میں آجاتی تھیں۔ حمنہ دن میں کہانی سنانے کے لیے ضد کرتی تو دادی جان کہتیں:

''ابھی آرام کرو، رات کو کہانی سنانے اور سننے کا مزہ آتا ہے۔''

حمنہ یہ سن کر خاموش ہو رہتی۔

جب کہانی سننے کا وقت ہوتا، حمنہ، حمزہ اور حارث اجازت لے کر دادی جان کے کمرے میں چلے آتے۔

''میرے پیارے بچو! آج میں نانا حشمت خان کی کہانی سناؤں گی۔''

''نانا حشمت خان کی کہانی!؟'' حارث نے دُہرایا۔

''میرے نانا گاؤں کے نمبردار تھے۔ سب اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ میرے نانا نے گاؤں کے چوپال میں ایک بہت بڑی چار پائی بنوائی تھی، جس پر ایک وقت میں پچاس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔''

''اتنی بڑی چار پائی!'' حمزہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

''میں نے بچپن میں وہ چار پائی دیکھی تھی۔ میرے نانا تکیہ رکھ کر شاہانہ انداز میں چار پائی پر بیٹھتے تھے۔ جب سورج ڈھلنے لگتا، گاؤں کے سب لوگ چار پائی پر آبیٹھتے تھے۔ اندھیرا چھا جاتے ہی چراغ روشن کر دیے جاتے۔ گاؤں کے ایک نوجوان کی آواز بہت سُریلی تھی۔ وہ اکثر وہاں حمد اور نعت سناتا تو سب اش اش کر اُٹھتے۔ بابا دینو، نام تو اُن کا دین محمد تھا، مگر سب انھیں بابا دینو ہی پکارتے تھے، وہ ایک ہوٹل میں انگریزوں کے ساتھ کام کر چکے تھے، وہ وہاں کے قصے سنا کر سب کو محظوظ کرتے تھے۔ بابا دینو کے قصے بہت دل چسپ ہوتے تھے۔ ہم گرمیوں کی چھٹیوں میں نانا کے گھر جاتے تو بڑی چار پائی کو دیکھنے ضرور جاتے تھے۔

''اتنی بڑی چار پائی کو اُٹھاتا کون تھا؟'' حمنہ نے سوال کیا۔

''اسے اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی۔ جب بارش ہوتی تو اُس پر کپڑا ڈال دیا جاتا تھا۔ ایک دن نانا جان چار پائی پر بیٹھے بابا دینو کی باتیں سن رہے تھے کہ اسلم بھاگتا ہوا وہاں آیا۔ اسلم، نانا جان کے دوست شوکت کا بیٹا تھا۔ اسلم نے چار پائی کے قریب آ کر کہا:

''وہ ابا جان......وہ......''

اسلم اتنا ہی کہہ سکا۔

''کیا ہوا ہے شوکت کو؟'' حشمت خان نے پوچھا۔

''ماموں عبداللہ انھیں بُری طرح مار رہے ہیں۔''

’’ماموں عبداللہ!‘‘ حشمت خان نے اسلم کی بات سن کر دُہرایا۔
’’آپ میرے ساتھ چلیے، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔‘‘ اسلم بولا۔
’’کچھ دیر بعد حشمت خان، شوکت کے گھر میں موجود تھے۔ ماموں عبداللہ وہاں سے جا چکا تھا۔ شوکت سر جھکائے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔
’’تمھارا اور عبداللہ کا کیا جھگڑا ہے؟‘‘ حشمت خان نے پوچھا۔
’’آپ کے علم میں ہے کہ اس کے باڑے سے کوئی دو گائیں کھول کر لے گیا تھا، عبداللہ کو شک ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؟‘‘ شوکت بولا۔
’’نہیں، مجھے یقین ہے تم ایسا نہیں کر سکتے، ضرور کسی نے عبداللہ کو بھڑکایا ہے۔ تم دونوں کل چوپال میں آجاؤ، میں بڑی چارپائی پر تمھارا اور عبداللہ کا انتظار کروں گا۔‘‘ حشمت خان یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔‘‘
دادی جان کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئیں تو حمزہ نے پوچھا:
’’پھر کیا ہوا دادی جان!؟‘‘
’’دوسرے دن سورج ڈھلتے ہی شوکت اور عبداللہ چارپائی پر موجود تھے۔ عبداللہ بہت غصے میں تھا۔ وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ میری گائیں شوکت نے چرائی ہیں، یہی چور ہے۔
’’تمھارے پاس کیا ثبوت ہے کہ شوکت نے گائیں چرائی ہیں؟‘‘ حشمت خان نے عبداللہ کو مخاطب کیا۔
’’میرے پاس ثبوت تو کوئی نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ شوکت نے یہ بُری حرکت کی ہے۔‘‘
’’یہ بُری برکت شوکت نے نہیں کی۔ تمھارے باڑے سے دو بھوری گائیں اجمل چوری کر کے لے گیا ہے۔ میں نے کھوج لگا لیا ہے، جلد گائیں بھی برآمد کرلوں گا۔‘‘ یہ آواز کھوجی رفیق کی تھی۔
’’اب بتاؤ، کیا گائیں میں نے چوری کی ہیں؟ بولو جواب دو۔‘‘ شوکت نے عبداللہ کو گھورتے ہوئے کہا۔
’’تم تو اِس طرح باتیں کر رہے ہو جیسے گائیں برآمد ہو گئی ہوں، رفیق بھی تو تمھارا دوست ہے۔‘‘
حشمت خان نے دونوں کو چپ کروایا۔
’’ہاں بھئی رفیق! گائیں کب برآمد کروا رہے ہو؟‘‘ حشمت خان نے کھوجی کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
’’نمبردار جی! میں نے کھوج لگا لیا ہے۔ گائیں میں نے خود دیکھی ہیں، ایک دو دِن میں گائیں برآمد کرلوں گا۔ آپ کو معلوم ہے، میں کچا کام نہیں کرتا۔‘‘ کھوجی رفیق نے جواب دیا۔
دادی جان نے بچوں کی طرف دیکھا۔ تینوں پوری توجہ سے کہانی سن رہے تھے۔
’’دادی جان! بھوری گائیں ملیں یا نہیں؟‘‘ حارث نے سوال کیا۔
’’چوری ہونے والی گائیں تو نہ ملیں، مگر جب معاملہ بگڑا تو شوکت نے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو بھوری گائیں عبداللہ کو دے دیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دو بھوری گائیں مل جانے پر عبداللہ خوش ہو جاتا، لیکن وہ تو گائیں ملنے پر مزید اکڑتا پھر رہا تھا۔ وہ ہر ایک سے یہی کہہ رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے، یوں کوئی کسی کو گائیں کس طرح دے سکتا ہے؟ کھوجی مسلسل یہی کہہ رہا تھا کہ گائیں اجمل نے چرائی ہیں۔‘‘
’’کیا گائیں واقعی اجمل نے چرائی تھیں؟‘‘ حارث کے سوال کا جواب دیتے ہوئے دادی جان بولیں:
’’ہاں، گائے چور اجمل ہی تھا، وہ خود گائیں لے کر چوپال آ گیا تھا۔ سب لوگ بڑی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ اجمل نے دونوں گائیں عبداللہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا:
’’میں گائے چور ہوں۔ میں جب سے عبداللہ کے باڑے سے گائیں چرا کر گیا ہوں میرا سکون جاتا رہا ہے، نہ دن کو سکون ہے نہ رات کو چین۔ میرا خیال تھا میں گائیں بیچ کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر لوں گا۔ عبداللہ! اپنی گائیں لے لو، میں سکون چاہتا ہوں۔‘‘
اجمل کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو چارپائی پر بیٹھے سبھی

دیکھ رہے تھے۔ حشمت خان نے آگے بڑھ کر اُجمل کو چارپائی پر بٹھا دیا۔ وہاں موجود گاؤں کے لوگوں کو حشمت خان کا اجمل کو چارپائی پر بٹھانا اچھا نہیں لگا۔ حشمت خان لوگوں کے جذبات بھانپ گئے۔

''جو بُرائی کا راستہ چھوڑ کر اُچھائی کا راستہ اپنائے اُسے اسی طرح عزت و اِحترام دینا چاہیے۔''

''میں سزا کے لیے تیار ہوں، آپ سزا سنائیے۔'' اجمل نے کہا۔

''عبداللہ! بتاؤ، اجمل کو کیا سزا دِی جائے؟'' حشمت خان نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''میں اجمل کو معاف کرتا ہوں، شاید اس طرح شوکت بھائی بھی مجھے معاف کر دیں۔'' عبداللہ نے اتنا کہا تو شوکت اور اُجمل نے عبداللہ کو گلے لگا لیا۔ چارپائی پر بیٹھا ہر شخص اس دن بہت خوش تھا، لیکن پھر اِن خوشیوں کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔'' کہانی سناتے ہوئے دادی جان گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

''پھر کیا ہوا دادی جان!؟'' حمزہ بولا۔

''ہوا کچھ یوں کہ گاؤں سے شہر جانے والی سڑک کچی تھی۔ جب پکی سڑک بنانے کا منصوبہ بنا تو حکومت نے سڑک کا رُخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ دوسرے گاؤں بھی اس سڑک کا استعمال کر سکیں۔

نئی سڑک کا رُخ میرے نانا کی زمینوں کی طرف تھا۔ سڑک بن جانے سے زمین کی قیمتیں بڑھنے کا امکان تھا، یہ بات نانا جان کے مخالفین کے لیے قابلِ برداشت نہیں تھی۔ انھوں نے گاؤں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ نمبردار نے سڑک کا رُخ خود تبدیل کروایا ہے، اس سے ان کی زرعی زمین کی قیمت بڑھ جائے گی۔ ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ بڑی چارپائی ویران ہوگئی۔ جب دلوں میں میل آ جائے تو فاصلے بڑھ جاتے ہیں۔

بڑی چارپائی پر بیٹھنے والوں کی تعداد میں خاصی کمی آ گئی۔ پھر ایک دن ایسا بھی آیا کہ چارپائی پر صرف حشمت خان تھے۔ وہ بہت اداس تھے۔ ان سے بڑی چارپائی کی ویرانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ ان کا ملازم رب نواز آیا تو اُنھوں نے کہا:

''صبح تانگا تیار رکھا جائے، میں رضا صاحب سے ملنے شہر جاؤں گا، میں سڑک کا رُخ تبدیل نہیں ہونے دوں گا، جیسے کچی سڑک ہے پکی سڑک بھی ویسے ہی بنے گی۔ مجھ سے بڑی چارپائی کی ویرانی

دیکھی نہیں جاتی، میں دوبارہ اسے آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔''

میرے نانا صبح سویرے رضا صاحب کے سامنے جا بیٹھے تھے۔ وہ بہت بھلے مانس افسر تھے۔ انھوں نے توجہ سے نانا جان کی بات سنی۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی تو اُنھوں نے اپنا اختیار اِستعمال کرتے ہوئے سڑک کا رُخ تبدیل کرنے کا فیصلہ بدل دیا۔ نانا جان اکثر ہمیں بتاتے تھے کہ انھیں اُمید نہیں تھی کہ سڑک کا رُخ تبدیل کرنے کا حکومتی فیصلہ تبدیل ہوگا۔ انھوں نے گاؤں سے شہر جاتے ہوئے راستے بھر یہی دعا کی تھی کہ بڑی چارپائی کو آباد ہونا چاہیے، دل صاف ہونے چاہییں۔ شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور سڑک کا رُخ تبدیل کرنے کا فیصلہ بدل دیا گیا۔

گاؤں میں سب کو اِس بات کا علم ہو گیا کہ نمبردار کی کوششوں کے باعث سڑک کا رُخ تبدیل نہیں کیا جارہا۔

وہ جمعرات کا دِن تھا۔ نانا جان سفید رنگ کے کلف لگے کپڑے پہن کر بڑی چارپائی پر جا بیٹھے۔ وہ اکیلے تھے۔ ان کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔ دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا۔ نانا جان نے آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کی:

''اے میرے مولا! اس چارپائی کو آباد کردے، دلوں میں نفرت کی جو دیوار کھڑی ہے اسے گرا دے۔ میرے مولا! میری دعا قبول فرمالے۔''

دعا مانگ کر وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ اس وقت نانا جان کی آنکھیں نم ہوگئیں جب گاؤں کے لوگ ایک ایک کرکے چارپائی پر آکر سَر جھکائے بیٹھنا شروع ہوگئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ویران چارپائی آباد ہوگئی۔ سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ میرے نانا جان، یعنی حشمت خان نے سب کو مخاطب کرکے کہا:

''شرمندہ نہ ہوں، مجھے تم سب سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

یہ سن کر جھکے سر اُٹھ گئے اور چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔ یوں بڑی چارپائی دوبارہ آباد ہوگئی۔ یہ تھی آج کی کہانی۔ کیسی رہی آج کی کہانی۔''

تینوں نے یک زبان ہو کر کہا:

''بہت اچھی، بہت اچھی کہانی تھی۔''

''اب سو جاؤ۔ سلامت رہو، خوش رہو۔'' دادی جان کی بات سن کر تینوں نے آنکھیں بند کرلیں۔

(پھر کیا ہوا؟
یہ جاننے کے لیے اگلے شمارے میں پڑھیے،
ایک نئی کہانی، دادی جان کی زبانی)

بقیہ: بلا عنوان

''نہیں، کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کا بھی حل ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ ہمارا کارڈ ہے، آپ آرڈر کریں، ہم سامان بھیج دیں گے۔ دوسری بات یہ کہ یہ چیزیں عموماً دوسری دکانوں سے مل جاتی ہیں اور ہم خریدتے بھی ہیں، لیکن یہ پتا نہیں ہوتا کہ یہ مسنون بھی ہے۔ سو ایک دفعہ جو بھی ہماری دکان پر آتا ہے وہ جائزہ لے لیتا ہے کہ یہ، یہ چیز نبی ﷺ نے استعمال کی ہے۔ اس کے بعد جہاں سے بھی خریدے گا فوراً اس کے ذہن میں ہماری دکان کا یہ منظر آجائے گا۔ یوں وہ سنت کی نیت کرلے گا۔''

''مطلب، کام وہی انداز نیا ہے۔'' میں نے پوری تفصیل کا خلاصہ نکالا۔

''بالکل ایسا ہی ہے۔'' محمد صاحب مسکرائے۔

''جناب! ہم بھی اس طرح کی دکان کھولیں گے۔'' حماد نے پُرجوش انداز میں اپنے عزم کا اظہار کیا۔

''ضرور کھولیں۔ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی سنتوں کا پرچار ہو اور لوگ مسنون زندگی کے قریب آئیں۔''

''جی ٹھیک ہے۔ بہت شکریہ جناب! السلام علیکم۔'' ہم نے مصافحہ کر کے اجازت چاہی۔

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔'' دکان دار نے خندہ پیشانی سے جواب دیا اور ہم فرحت و مسرت کے ساتھ ایک نیا عزم لیے دکان سے باہر نکل آئے۔

☆ مالک (نوکر سے): ''پیشگی تنخواہ ملنے کے بعد تم بھاگ تو نہیں جاؤ گے؟''

نوکر (جلدی سے): جی نہیں، آپ بے فکر رہیں۔ اس سے پہلے میں تین سال ایک ہی جگہ رہا ہوں اور کبھی نہیں بھاگا۔''

مالک (حیرت سے): ''اچھا، کہاں رہے ہو تین سال؟''

نوکر: ''جیل میں۔''

☆ تنخواہ کا لفافہ لے کر مزدور واپس خزانچی کے پاس آیا اور کہا:

''جناب! اس میں پچاس روپے کم ہیں۔''

خزانچی: ''پچھلی مرتبہ جب تمھارے لفافے میں پچاس روپے زیادہ چلے گئے تھے تب تم میرے پاس کیوں نہیں آئے تھے؟''

''جناب! وہ آپ کی پہلی غلطی تھی اور میں بار بار غلطی برداشت نہیں کرسکتا۔'' مزدور نے جواب دیا۔ (ابیہا احسن۔کراچی)

☆ ایک آدمی مشہور شاعر احمد فراز کی کتابیں خرید رہا تھا۔ دکان دار نے پوچھا:

''کیا فراز آپ کے پسندیدہ شاعر ہیں؟''

وہ شخص بولا: ''جی نہیں، دراصل ایک بار اِن کی کتاب میں سے سو روپے کا نوٹ ملا تھا۔''

☆ بڑا بھائی (چھوٹے بھائی سے): ''اس شعر کا دوسرا مصرع بتاؤ:

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی''

چھوٹا بھائی: ''اس کھیت میں فوراً ٹیوب ویل لگوادو۔''

☆ ایک مچھر کہیں جا رہا تھا کہ اچانک آندھی آگئی۔ وہ ایک کیکر کے درخت سے لپٹ گیا۔ جب آندھی رُک گئی تو مچھر اُس درخت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

''اگر آج یہاں میں نہ ہوتا تو یہ درخت تو گیا تھا۔''

(ناہید مشتاق۔ٹھٹھہ)

☆ ایک دوست (دوسرے سے):

''یار! تمھاری مرغی کا کیا حال ہے جو سائیکل کے نیچے آگئی تھی؟''

دوسرا دوست: ''اس کا حال تو ٹھیک ہے، بس انڈے ٹوٹے ہوئے دیتی ہے۔''

☆ مہمان (چھٹا کینو لیتے ہوئے، میزبان سے):

''اجی، کیا بتاؤں، میری نظر بہت کم زور ہے۔''

میزبان (جل کر): ''جی ہاں، جبھی آپ کینوؤں کو انگور سمجھ کر کھا رہے ہیں۔''

☆ مسافر: ''کیا یہ سڑک مجھے شاہ فیصل مسجد لے جائے گی؟''

راہ گیر: ''نہیں جناب! آپ کو خود چل کر جانا پڑے گا۔''

(باقر علی۔لودھراں)

☆ ایک لڑکا مسجد میں جوتے آگے رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ کسی نادان نے کہا:

''بھئی، نماز میں اگر جوتے آگے رکھو تو نماز نہیں ہوتی۔''

لڑکے نے فوراً جواب دیا: ''اور اگر جوتے پیچھے رکھو تو پھر جوتے نہیں ہوتے۔''

☆ کھڑکی سے کسی چیز کے گرنے کی آواز سُن کر بیگم صاحبہ بولیں:

''ارے، یہ کس چیز کے گرنے کی آواز ہے؟''

نوکرانی: ''بیگم صاحبہ! کمبل گر گیا ہے۔''

بیگم صاحبہ: ''ارے تم نے یہ کیا کیا! منّے کو سردی لگ جائے گی۔''

نوکرانی: ''بیگم صاحبہ! آپ فکر نہ کریں، منّا کمبل میں ہی ہے۔''

(عامر اعجاز۔کوہاٹ)

نئے لکھاری

انصاف کی خاطر

محمد حاشر مصطفیٰ۔راول پنڈی

گھڑی رات کے آٹھ بجا رہی تھی۔انسپکٹر سجاد چار سپاہیوں کو ساتھ لیے جنگل کی طرف رواں دواں تھے۔انھیں معلوم تھا کہ اغوا کار زیادہ تر جنگل میں ہی پناہ لیتے ہیں، اسی لیے وہ جنگل کی جانب جا رہے تھے۔ جنگل کے قریب پہنچ کر وہ جیپ سے اترے اور جنگل کے اندر چل دیے۔ وہ کسی سراغ کی تلاش میں تھے،مگر اُنھیں رات کے اندھیرے میں سراغ ملنا ناممکن

نظر آ رہا تھا۔تھوڑی دیر تلاش کے بعد اُنھوں نے سپاہیوں سے کہا:

''چلو بھئی، آجاؤ۔''

''سر،سر! یہ دیکھیے، مجھے یہ قلم ملا ہے۔'' اکرم نے انھیں ایک سنہری رنگ کا قلم دکھاتے ہوئے کہا۔

''اور سَر! وہاں ایک سیاہ گاڑی بھی کھڑی ہے۔ ویسی ہی جیسی ہم نے سی۔سی۔ٹی۔وی فوٹیج میں دیکھی تھی۔''

اس کی بات سن کر اُن کے چہرے پر اُمید کی لہر دوڑ گئی اور وہ اکرم کی بتائی ہوئے جگہ پر بھاگے۔ سیاہ گاڑی دیکھ کر اُنھوں نے شکر کا سانس لیا اور بولے:

''اب مجرم بچ نہیں سکتے۔''

''جاؤ، اکرم اور وقاص! تم جا کر دیکھو کہ مجرموں کا ٹھکانا کہاں ہے؟''

''اور ساجد! تم تھانے سے نفری لے کر فوری طور پر یہاں پہنچو۔''

یہ کہہ کر وہ کچھ سوچ کر ایک سمت میں چلنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد اُنھیں ایک عمارت دکھائی دی۔ وہ دور سے کھنڈر نظر آ رہی تھی۔ ان کے قدم تیزی سے اس کی جانب اٹھنے لگے۔ وہاں پہنچ کر وہ اس عمارت کا جائزہ لینے لگے۔ایک کمرے میں انھیں قدموں کے نشانات نظر آئے۔ وہ اس کمرے کا جائزہ لینے لگے۔اچانک ان کی نظر ایک اینٹ پر پڑی، جو دیوار میں لگی دیگر اینٹوں کے مقابلے میں آگے نکلی ہوئی تھی۔ جیسے ہی انھوں نے اینٹ دبائی تو گھڑگھڑاہٹ کی آواز آئی اور کمرے کے فرش پر سیڑھیاں نمودار ہوگئیں۔

انھوں نے فوراً آگے بڑھ کر تہ خانے کا دروازہ بند کر دیا اور فون نکال کر ماتحتوں کو ہدایات دینے لگے۔ پندرہ منٹ بعد اُنھیں قدموں کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے دیکھا کہ اکرم چلا آ رہا تھا۔

''سر! سب نے پوزیشن لے لی ہے۔''

''بہت اچھے!'' انھوں نے مختصر جواب دیا اور تہ خانے کا دروازہ کھول کر پانچ ماتحتوں سمیت نیچے اترنے لگے۔ نیچے کمرے میں سات آدمی بیٹھے تھے۔انھیں دیکھتے ہی وہاں بیٹھے تمام لوگ اُچھل پڑے۔

''کک......کون ہو تم؟''

''تمھاری موت!'' انسپکٹر سجاد سفاک لہجے میں بولے اور پھر غرائے:

''خبردار! سب ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔ کوئی حرکت نہ کرے!'' ان سب کے چہرے زرد پڑ چکے تھے۔ انسپکٹر سجاد کے اشارہ کرتے ہی

سپاہی آگے بڑھے اور اُن کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں ڈال دیں۔ کمروں کی تلاشی لینے پر مریم بھی ایک کمرے میں بندھی ہوئی مل گئی۔ اغوا کاروں نے اس کی حالت کچھ اچھی نہ رکھی تھی، لہٰذا اُسے انھوں نے اسے فوری طور پر ہسپتال پہنچایا اور پھر مجرموں کو لے کر جیل روانہ ہو گئے۔

......(جاری ہے)......

مقصد

عرفان حیدر۔ جھنگ

شہر بھر میں گرم ہواؤں کا راج تھا۔ سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اس وقت تقریباً دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ بلال کے والد اِسحاق صاحب اسے اسکول سے واپس گھر لے کر جا رہے تھے۔ وہ گاڑی کو درمیانی رفتار سے چلا رہے تھے کہ اچانک ایک کیل گاڑی کے پچھلے پہیے میں چبھی اور پہیا پنکچر ہو گیا۔ اسحاق صاحب گاڑی سے اترے اور اُس پہیے کو قریب جا کر دیکھا۔

''اوہو!'' یہ کہہ کر وہ واپس گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی چلانے لگے۔

''بابا! کیا ہوا؟'' بلال نے اپنے بابا سے پوچھا۔

''بیٹا! پچھلا پہیا پنکچر ہو گیا ہے، اگلے چوک پر ہی ایک پنکچر والے کی دکان ہے، وہاں سے ٹھیک کروا لیتے ہیں۔'' اسحاق صاحب نے جواب دیا۔ دو منٹ بعد وہ پنکچر والی دکان کے پاس موجود تھے۔ وہاں دکان میں ایک آدمی اور ایک دس سالہ بچہ موجود تھے۔ دونوں کے لباس میلے کچیلے سے تھے اور دونوں پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسحاق صاحب کچھ دیر اُنھیں دیکھتے رہے اور پھر گاڑی سے نکل کر دُکان میں داخل ہوئے۔ دکان میں حد سے زیادہ گرمی تھی۔ سلام دُعا کے بعد وہ آدمی گاڑی کے اس پہیے کی طرف بڑھا اور اُسے ٹھیک کرنے لگا۔ ادھر اِسحاق صاحب اس دس سالہ بچے سے گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے۔

''بیٹا! آپ کا نام کیا ہے؟'' اسحاق صاحب بچے سے مخاطب ہوئے۔

''میرا نام سہیل ہے۔'' بچے نے احترام سے سوال کا جواب دیا۔

''آپ اسکول میں کیوں نہیں پڑھتے؟'' اسحاق صاحب نے سہیل سے پوچھا۔

''انکل! میرے بابا پہلے ایک کمپنی میں ملازم تھے، جہاں وہ پچھلے پندرہ سالوں سے کام کر رہے تھے۔ تقریباً ایک سال پہلے وہ کاروباری کمپنی ختم ہو گئی اور میرے والد بے روزگار ہو گئے، جس کی وجہ سے مجھے اسکول چھوڑنا پڑا، پھر میرے والد صاحب نے یہ دکان کھولی تو بمشکل گھر کے اخراجات پورے ہو رہے تھے، اسی لیے اب میں اسکول جانے کی بجائے اپنے والد کے ساتھ دکان پر ہی ہوتا ہوں۔''

اس بچے کی بات سنتے ہی اسحاق صاحب کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ اس بچے کو غور سے دیکھنے لگے۔

''صاحب! گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔'' پیچھے سے سہیل کے والد کی آواز آئی۔

''بھائی! مہربانی فرما کر آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیے۔'' اسحاق صاحب نے تھوڑا اِصرار کیا تو اُنھوں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کے بعد وہ سب گاڑی میں بیٹھے اور اِسحاق صاحب کے گھر کی طرف گام زن ہو گئے۔

......☆......

اسحاق صاحب کا شمار شہر کے کام یاب کاروباری حضرات میں ہوتا تھا۔ وہ ایک کام یاب انسان ہونے کے ساتھ ساتھ رحم دل اور سخی بھی تھے۔ وہ بیک وقت کئی فلاحی کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ ان کی اپنی ایک کمپنی تھی۔ اسحاق صاحب کا صرف ایک بیٹا تھا، جو ابھی دس سال کا تھا۔

......☆......

اسحاق صاحب اور وہ آدمی، جس کی پنکچر والی دکان تھی، اسحاق صاحب کی بیٹھک میں موجود تھے۔ دوپہر کا وقت تھا، اسی لیے پہلے سب نے مل کر کھانا کھایا۔

''یہ پیسے رکھ لیجیے۔'' اسحاق صاحب نے اس آدمی، جس کا نام احمد تھا، کی طرف ایک لاکھ روپے بڑھائے۔

''صاحب! میں جانتا ہوں کہ آپ ایک سخی انسان ہیں، مگر میں کسی کا احسان نہیں لینا چاہتا۔'' احمد صاحب نے پیسے لینے سے انکار کر دیا۔

''ارے، آپ سے کس نے کہا کہ میں آپ پر اِحسان کر رہا ہوں۔ میری ایک کمپنی ہے، جس میں، میں آپ کو نوکری دے رہا ہوں اور یہ پیسے آپ کی پیشگی تنخواہ ہے۔ برائے مہربانی انھیں رکھ لیجیے۔'' اسحاق صاحب نے احمد صاحب سے کہا تو اُن کا چہرہ کھل اٹھا۔ انھوں نے وہ پیسے رکھ لیے۔ خوشی ان کے چہرے سے واضح ہو رہی تھی۔

''اب آپ اپنے بیٹے کا اِسکول میں داخلہ کروائیں۔'' اسحاق صاحب نے کہا۔

جی جناب! ضرور، میں کل ہی اس کا داخلہ کروا دوں گا۔'' احمد صاحب نے کہا۔ ''میں آپ کے اس احسان کا بدلہ ساری زندگی نہیں چکا سکوں گا۔'' احمد صاحب نے کہا۔ اس کے بعد اِسحاق صاحب اور اَحمد صاحب کے درمیان کافی دیر تک کاروباری سلسلے میں گفتگو چلتی رہی اور پھر اَحمد صاحب اور سہیل چلے گئے۔

......☆......

اسحاق صاحب کو ایک بات بہت پریشان کرتی تھی۔ وہ یہ سوچتے رہتے تھے کہ ہمارے ملک میں نہ جانے کتنے بچے غربت کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ایک ایسا ادارہ قائم کریں جس میں غریب اور مستحق بچوں کو مفت تعلیم دی جائے۔ اسحاق صاحب نے اس بارے میں بہت سوچا اور پھر ذاتی طور پر اِس پر کام شروع کر دیا۔

ایک رات اسحاق صاحب، بلال کے کمرے میں گئے۔ بلال اپنے کمرے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسحاق صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو بلال نے فوراً اُنھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ بلال بھی ان کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بیٹا! احمد صاحب اور سہیل والا واقعہ تو تمھیں یاد ہوگا؟'' اسحاق صاحب اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئے۔

''جی بابا! مجھے یاد ہے۔'' بلال نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جواب دیا۔

''بیٹا! جب سے یہ واقعہ پیش آیا ہے میں بہت بے چین رہتا ہوں۔ پتا نہیں احمد جیسے کتنے بچے ہمارے ملک میں تعلیم سے محروم ہیں۔ بالآخر اَب نے میں یہ سوچا ہے کہ کیوں نہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے، جس میں غریب اور مستحق بچوں کو مفت تعلیم دی جائے۔ میں نے ذاتی طور پر تو اِس پر کام شروع کر دیا ہے، مگر اِس کام کے لیے طویل وقت درکار ہے۔'' اسحاق صاحب نے ساری بات بلال کو بتائی۔

''ماشاء اللہ! بابا! آپ کی یہ بات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ دوسروں کی بھلائی کے لیے اتنا کچھ سوچتے ہیں۔'' بلال نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! اگر ہم نہیں سوچیں گے تو اور کون سوچے گا، یہ بچے ہمارے پاکستان کا سرمایہ ہیں، مستقبل میں یہی بچے اپنے ملک کا نام روشن کریں گے۔'' اسحاق صاحب نے بلال کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ بلال کے کمرے سے چلے گئے۔ ان کے اس ارادے کے بارے میں سوائے بلال کے کسی کو بھی علم نہیں تھا۔

......☆......

آج اسحاق صاحب دفتر سے جلدی واپس آ گئے تھے۔

''میں ایک بین الاقوامی میٹنگ کے لیے آج رات دبئی جا رہا ہوں، دو دِن بعد واپس آؤں گا۔ اسی کی تیاری کے لیے آج دفتر سے جلدی آیا ہوں۔'' اسحاق صاحب نے اپنی بیگم اور بلال سے کہا۔ اس کے بعد اُن تینوں نے مل کر کھانا کھایا اور پھر اسحاق صاحب تیاری کرنے لگ گئے۔

''جہاز کا وقت ہونے والا ہے، مجھے اب جانا چاہیے۔'' یہ کہنے کے بعد وہ اپنی بیگم اور بلال سے ملے اور اُنھیں الوداع کہہ کر رخصت ہو گئے۔

اسحاق صاحب کو گئے دو دِن بیت چکے تھے۔ بلال اور اُس کی امی باغ میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک خبر ملی کہ دبئی سے پاکستان آنے والا جہاز اِنجن کی خرابی کی وجہ سے حادثے کا شکار ہو گیا ہے اور تمام مسافر ہلاک ہو گئے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں ہوائی اڈے کی انتظامیہ کی طرف سے کال بھی آ گئی، جس نے اس خبر کی تصدیق کر دی کہ اسحاق صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس خبر نے بلال اور اُس کی والدہ سمیرا صاحبہ کو گہرا صدمہ پہنچایا۔

والد کے اچانک انتقال نے بلال کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ اپنی زندگی سے مایوس رہنے لگ گیا۔ سارا سارا دن اشک بہاتا رہتا۔ اس کی امی اور قریبی رشتے داروں نے اسے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ بہت جذباتی لڑکا تھا۔ ایک دن جب بلال اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ بیٹھ کر نم آنکھیں لیے اپنے بابا کا تصور کر رہا تھا تو اچانک اس نے دیکھا کہ سہیل اپنے والد کے ساتھ اسکول جا رہا تھا۔ کچھ دیر وہ ان پر نظریں جمائے بیٹھا رہا، مگر پھر وہ جھٹ سے اٹھا اور اپنے آنسو صاف کر کے پُرعزم لہجے میں بولا: ''بابا تو چلے گئے، مگر میں ان کا نیک خواب ضرور پورا کروں گا۔'' سہیل کو اِسکول جاتا دیکھتے ہی اس کے ذہن میں اپنے بابا کی بات آ گئی تھی۔

......☆......

سمیرا صاحبہ اپنے مرحوم خاوند کی کمپنی کو مکمل طور پر سنبھال چکی تھیں۔ بلال نے بھی اپنے آپ کو مضبوط کیا اور اپنا مکمل دھیان پڑھائی طرف رکھا۔ وہ اپنے والد کے خواب کو پورا کرنا چاہتا تھا، اسی لیے وہ پوری محنت اور لگن سے پڑھتا رہا۔ بلال اپنے فراغت کے اوقات اچھی اچھی کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتا۔ اس کی والدہ اس کے یوں اچانک اتنے بدل جانے پر حیران بھی تھیں اور خوش بھی۔ بلال آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے والد کے خواب کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔

ایک دن بلال اپنی والدہ سمیرا صاحبہ کے ساتھ بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک وہ بولا: ''امی جان! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔'' بلال نے مؤدبانہ لہجے میں کہا تو امی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''امی جان! بابا ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے جس میں غریب اور مستحق بچوں کو مفت تعلیم دی جائے۔ اب بابا تو اِس دنیا سے چلے گئے ہیں، مگر میں ایک دن ان کا یہ خواب ضرور پورا کروں گا۔'' بلال نے امی جان کو بتایا۔ یہ سننے کے بعد سمیرا صاحبہ کچھ دیر خاموش رہیں اور پھر ایک نفیس مسکراہٹ کے ساتھ بولیں:

''ماشاء اللہ! آپ کے بابا کی سوچ بھی بہت اچھی تھی اور اَب میری جان بلال، ہو بہو اپنے والد جیسا ہی سوچتا ہے۔ ان شاء اللہ! آپ ایک دن اپنے بابا کے خواب کو ضرور پورا کرو گے۔'' بلال ان کی بات سن کر جواباً مسکرایا۔

......☆......

بلال کی عمر اَب چوبیس سال ہو چکی تھی۔ وہ ایم۔ بی۔ اے کر چکا تھا اور اَب اپنے والد کی کمپنی کی سربراہی کر رہا تھا۔ کمپنی اس کی سربراہی میں دن دوگنی رات چگنی ترقی کر رہی تھی، اور کرتی بھی کیوں نہ، بلال نے محنت ہی اتنی کی تھی۔ اب وقت آ چکا تھا کہ وہ اپنے والد کے خواب کو پورا کرے، لہٰذا بلال نے اس پر کام شرع کر دیا۔ اس نے ایک جماعت تیار کی، جس کی سربراہی وہ خود کر رہا تھا، یہ جماعت صرف اسی منصوبے پر کام کر رہی تھی۔

......☆......

دو سال کی مسلسل محنت کے بعد بلال اور اُس کی ٹیم نے ''اسحاق فاؤنڈیشن'' نامی ادارہ قائم کر لیا۔ آج اس ادارے کا افتتاح تھا اور بلال یہ کام کر کے بہت راحت محسوس کر رہا تھا۔

افتتاحی تقریب میں جب اس نے اساتذہ اور بچوں سے خطاب کیا تو اُس نے سب بچوں کو خوب محنت کرنے تلقین کی۔ اس کی خوشی میں اور اِضافہ ہو گیا جب اس نے اپنی آنکھوں سے اس ادارے میں غریب اور مستحق بچوں کو تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھا۔ اسحاق فاؤنڈیشن کے سارے اخراجات بلال خود اُٹھا رہا تھا، اس ادارے کی جانب سے نہ صرف بچوں کو تعلیم سے آراستہ کیا جا رہا تھا، بل کہ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی کئی بنیادی ضرورتوں کا بھی خیال رکھا جا رہا تھا۔

اب بلال بہت خوش تھا، کیوں کہ وہ اپنے بابا کا خواب اور اپنا مقصد پورا کرنے میں کام یاب ہو چکا تھا۔

اجر

صبا جاوید۔ مظفر گڑھ

عدیل صاحب شہر کی بہت اونچی ایک عمارت کی پانچویں منزل پر واقع کسی سرکاری ادارے میں کام کرتے تھے۔ وہ صحت کے

معاملے میں بہت محتاط تھے اور اپنا دوپہر کا کھانا گھر سے لاتے تھے۔ ان کے دفتر کے سامنے راہداری کے کونے میں ایک بلی اپنے تین بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ دوپہر کے کھانے میں سے جو بچ جاتا، عدیل صاحب اسے بلی کے لیے ایک برتن میں رکھ دیتے، جسے بلی اور اُس کے بچے کھا لیتے۔ دفتر کا چوکی دار بھی بلی کا خیال رکھتا اور برتن کو دھو دیتا۔

بلی کے بچے ابھی چھوٹے ہی تھے کہ رمضان کا مہینا آ گیا۔ یہ سوچ کر کہ بلی اور اُس کے بچوں کے لیے کھانے کا حصول مشکل ہو جائے گا۔ عدیل صاحب سحری اور اِفطاری کا بچا ہوا کھانا بلی کے لیے گھر سے لانے لگے، بلی اس بندوبست سے بہت خوش تھی۔ وہ صبح سے ہی آ کر برتن کے پاس بیٹھ جاتی۔ جب وہ کھانا لا کر بلی کے برتن میں ڈال دیتے تو بلی اور اُس کے بچے مزے لے کر کھاتے۔

بلی عدیل صاحب سے اس قدر مانوس ہو گئی تھی کہ جب گھر جانے کے لیے وہ لفٹ کے پاس پہنچتے تو بلی راہداری کے کونے سے اُٹھ کر لفٹ کے پاس آ جاتی، گویا انھیں خدا حافظ کہہ رہی ہو۔

عدیل صاحب بلا ناغہ بلی کے لیے کھانا لاتے۔ وہ نماز، روزے کے پابند تھے، اسی طرح وقت سے پہلے دفتر پہنچنا اور مقررہ وقت پر دفتر سے گھر کے لیے روانہ ہونا ان کا معمول تھا۔ ان کے پاس ذاتی سواری نہیں تھی، اس لیے بس سے دفتر آتے جاتے تھے۔ ان کا گھر دفتر سے بیس پچیس کلو میٹر دور ایک مضافاتی علاقے میں تھا۔

رمضان المبارک کی 25 تاریخ تھی۔ عدیل صاحب نے اپنے بچوں سے وعدہ کیا تھا کہ دفتر سے واپس آنے کے بعد وہ انھیں عید کی خریداری کے لیے لے جائیں گے، لہٰذا اُنھوں نے جلدی جلدی دفتر کا کام سمیٹا اور عمارت سے نیچے اُترنے کے لیے لفٹ کے پاس آ کر لفٹ کا بٹن دبا دیا۔ اچانک انھیں خیال آیا کہ آج بلی نظر نہیں آ رہی۔ انھوں نے لفٹ کے پاس کھڑے کھڑے بلی کو آواز دِی اور راہداری کی دوسری جانب دیکھنے لگے۔ یہ خاصا لمبا راستہ تھا، جب کہ لفٹ بیچ میں نصب تھی۔ بلی تو اُنھیں نظر آ گئی، مگر خلافِ معمول وہ ان کے پاس آنے کے بجائے وہیں کھڑے کھڑے میاؤں میاؤں کرنے لگی۔ اسی دوران میں لفٹ آ گئی۔

عدیل صاحب کا دِل چاہا کہ لفٹ پر سوار ہو جائیں، پھر یہ سوچ کر کہ بلی یا اس کے بچے کسی مصیبت میں نہ ہوں، وہ راہداری کی دوسری جانب کھڑی بلی کے پاس چلے گئے۔ بلی آگے بڑھ کر اُن کے پیروں سے لپٹنے لگی۔ انھوں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی، مگر اُنھیں بلی کی پریشانی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ بلی کے بچے بھی ایک طرف کھیل رہے تھے۔

بلی کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد وہ لفٹ کے ذریعے عمارت سے اُتر کر بس اڈے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دوران میں پانچ دس منٹ گزر گئے تھے۔ جب وہ اڈے پر پہنچے تو بس جا چکی تھی۔ دوسری بس کچھ دیر بعد آتی تھی۔ آج انھیں جلدی گھر پہنچنا تھا اور پھر اُن کے راستے میں ایک ریلوے پھاٹک آتا تھا، جہاں بعض اوقات ریل گاڑی گزرنے کی وجہ سے دیر ہو جایا کرتی تھی۔ وہ انھی سوچوں میں گم تھے کہ بس آ گئی اور وہ اس میں سوار ہو گئے۔ اتفاق سے انھیں بس میں بیٹھنے کی جگہ مل گئی اور ٹھنڈی ہوا لگنے سے انھیں نیند آ گئی۔

یکا یک شور کی آوازیں سُن کر اُنھوں نے آنکھیں کھول کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو اُن کا دِل دہل گیا۔ سڑک پر ایک خوف ناک منظر تھا۔ ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ فلاحی اداروں کے رضا کار اور بہت سی ایمبولینسیں کھڑی تھیں۔ معلوم کرنے پر اُنھیں پتا چلا کہ وہ بس جو دفتر سے دیر سے نکلنے کی وجہ سے ان سے چھوٹ گئی تھی، اسے حادثہ پیش آ گیا ہے۔ بس پھاٹک بند نہ ہونے کی وجہ سے ریل گاڑی کی زد میں آ گئی ہے۔ بہت سے مسافر زخمی تھے اور رضا کار اُنھیں اُٹھا کر ایمبولینسوں میں ڈال رہے تھے۔ پولیس کی بہت سی گاڑیاں بھی موقع پر موجود تھیں، جو لوگوں کو منتشر کر رہے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی رضا ان کی سمجھ میں آئی کہ کس طرح بلی کا خیال رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حکمت سے دیر ہو جانے کی وجہ سے ان سے وہ بس چھوٹ گئی تھی۔ عدیل صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا، جس نے اُسی بلی کو وسیلہ بنا کر اُنھیں ایک بڑے حادثے سے محفوظ رکھا۔

ہماری بھینس

محمد ایوب اختر۔لیاقت پور

بھیا جب منڈی سے آئے
بھینس وہ اک پیاری سی لائے

یوں تو رنگت کی ہے کالی
لیکن خاصی ہے متوالی

لمبے سینگ ہیں اس کے سر پر
خوش ہوتا ہے دیکھ کے گھر بھر

آنکھیں اس کی نیلی نیلی
بھینس ہماری ہے پھرتیلی

رہتی اکثر گھاس ہے چرتی
بیٹھی جگالی ہر دم کرتی

نام رکھا ہے اس کا رانی
کھانے کی یہ ہے دیوانی

کھاتی ہے پہلے یہ ونڈا
پیتی ہے پھر پانی ٹھنڈا

دودھ ، دہی ، مکھن ، بالائی
ملتے ہیں جب سے یہ آئی

ونڈا: گائے/بھینس کو کھلانے والا چارا

خط جو آپ کا ملا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

☜ اسکول سے جیسے ہی گھر پہنچا تو عمارت کے دروازے پر اپنا پسندیدہ رسالہ ''ذوق وشوق'' لٹکا پایا۔ بہت مشکلوں سے چھلانگیں مار مار کر ''ذوق وشوق'' اتارا، کیوں کہ دروازے کے اوپر تک میرا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ گھر پہنچ کر سب کو سلام کر کے ''ذوق وشوق'' کا مطالعہ کرنے بیٹھ گیا۔ ''پیغام الٰہی'' اور ''پیغام نبوی'' پڑھ کر عمل کرنے کا عزم کیا۔ ''علیک سلیک'' پڑھنے پر معلوم ہوا کہ واقعی الحمد للہ! ہم بہت دولت مند ہیں۔ ''سیرت کہانی'' سلسلہ کافی اچھا جا رہا ہے۔ ''بلاعنوان'' کہانی پڑھ کر فوراً ہی عنوان تجویز کر لیا۔ ''زمین کی میخیں'' پڑھ کر مزہ آیا۔ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں پڑھ کر کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ کہانی ''غیور قوم'' اچھی تھی۔ ''الومنو'' کی مزے دار ترکیب پڑھ کر ''بکھرے موتی'' جمع کیے، پھر ایک سبق آموز کہانی ''غلط فہمی'' پڑھی۔ ''سوال آدھا، جواب آدھا'' دیکھ کر ہمیشہ کی طرح سر گھوم گیا۔ ''گوہر نایاب'' کہانی پڑھ کر مزہ آیا۔ غرض پورا رسالہ بہترین تھا اور الحمد للہ! میں ''ذوق معلومات'' میں انعام کا حق دار بنا۔ انکل! جب کوئی قاری کسی بھی کھیل میں انعام کا حق دار بنتا ہے تو اُسے انعام کس طرح وصول ہوتا ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی کہانی رسالے میں بھیجنے کا اتفاق ہوا۔

(محمد معاویہ باڑی۔کراچی)

☆ آپ کا انعام بذریعہ ڈاک پہنچے گا، ان شاءاللہ!

☜ مئی کا شمارہ ''انعامی سرورق'' والا تھا۔ سرورق موقع کی مناسبت سے عمدہ تھا۔ ''علیک سلیک'' میں اچھی دعا کی تعلیم تھی۔ ''بلاعنوان'' میں ننھے دوست کی باتیں اچھی لگیں۔ ''زمین کی میخیں''، ''غیور قوم''، ''غلط فہمی''، ''حرکت میں برکت'' یہ سب کہانیاں اچھی لگیں۔ نظمیں بھی اچھی تھیں۔ اپنا خط اور اِنعام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

(حافظ محمد اشرف۔حاصل پور)

☜ اس دفعہ کا ''ذوق شوق'' نہایت دل چسپ اور معلومات سے بھرپور تھا۔ ''ذوقِ شوق'' ہمارے ہاتھ آیا تو ہم اس کے ''انعامی سرورق'' میں کھو سے گئے۔ پڑھنے کا آغاز ہمیشہ کی طرح ''پیغامِ الٰہی'' اور ''حدیث نبوی ﷺ'' سے کیا۔ ''علیک سلیک'' میں سلام کا جواب دینے کے بعد نعمتوں کے بارے میں اس کی قدر کے بارے میں جانا۔ گلابی ہری جھلکیوں پر ایک سرسری نظر دوڑا کر ہم نے پڑھنے کا آغاز ''سیرت کہانی'' سے کیا، جس میں غزوۂ احد کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔ ''بلاعنوان'' پڑھ کر ہم اپنے بچپن کی یادوں میں کھو گئے۔ ''زمین کی میخیں'' غلام حسین میمن کی ہماری پسندیدہ کہانی تھی۔ حضرتِ علی بن طالب رضی اللہ عنہ کا مضمون شان دار تھا۔ ''غیور قوم'' اور ''نئے لکھاری'' میں ''بائیکاٹ'' پڑھ کر ہم نے عمل کا ارادہ کیا۔ ''غلط فہمی'' کنیز باھو کی کہانی پڑھ کر اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ہمیں کسی کی غلط باتوں پر کان نہیں دھرنے چاہییں۔ ''گوہرِ نایاب'' بھی حدیث نبوی پر لکھی گئی کہانی تھی، جب کہ ''بوبی'' کچھوا ہماری دوسری پسندیدہ کہانی رہی۔ ''لونا چیونٹی'' پڑھ کر یہ سبق ملا کہ کوئی کسی سے کم تر نہیں۔ ''کر لو اچھے کام'' اور ''وعدہ اب کر لو تم''، دونوں ہمیں پسند آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ''ذوق شوق'' کو نظرِ بد سے محفوظ رکھے اور اِسے دن دونی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

(خنساء محمد جاوید۔حیدرآباد)

☆ آمین! یارب العالمین!

فیصلہ

ہانیہ عبدالشکور

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ امی!''

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ بیٹا!''

''کیسا رہا آپ کا آج کا دِن؟''

الحمدللہ، امی! اچھا رہا۔''

''چلو پھر جاؤ، آپ منہ ہاتھ دھو آؤ، میں کھانا لگاتی ہوں۔''

''جی امی!''

''کیا بات ہے بیٹا! کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہو۔ کھانے کے دوران میں بھی خیالوں میں گم تھے۔''

''کچھ نہیں امی! کچھ خاص نہیں۔''

''بیٹا! والدین آپ کے سب سے مخلص دوست ہوتے ہیں۔ ان سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ بتاؤ، کیا پریشانی ہے؟''

امی نے احسن کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''امی! وہ ہماری کلاس میں مانیٹر کے الیکشن ہو رہے اور میری سمجھ نہیں آ رہا کہ کسے ووٹ دوں۔''

''بیٹا! اس میں اتنا پریشان ہونے والی کون سی بات ہے؟ جو آپ کو بہتر لگتا ہے اسے ووٹ دے دو۔''

''امی! بہتر تو اَمجد لگتا، لیکن دل اختر کو ووٹ دینے کو چاہ رہا ہے۔''

''ایسا کیوں بھلا بیٹا!؟''

''امی! ہر لحاظ سے بہتر امجد ہے، پَر اختر نے وعدہ کیا ہے کہ جو اُس کا ساتھ دے گا وہ اسے دے گا۔''

''بیٹا! یہ اختر بچہ وہی ہے جس کی کئی والدین نے شکایت کی تھی کہ اس نے ان کے بچوں کو مارا ہے؟''

''جی امی! وہی ہے۔ وہ ہمیشہ سب کو مارتا ہے اور عجیب عجیب نام رکھتا ہے سب کے۔''

''اور امجد کیسا ہے؟ اگر میں بھول نہیں رہی تو یہ وہی ہے نا جس نے ریاضی کے جائزے کی تیاری میں آپ کی مدد کی تھی؟''

بقیہ: صفحہ نمبر 53 پر

دو دھاری تلوار

تنزیلہ احمد۔اوکاڑہ

”آج تمھیں فٹ بال کھیلنے جانا تھا نا!؟“

تانیہ کتاب ہاتھ میں پکڑے برآمدے میں داخل ہوئی تو بارہ سالہ نعمان کو سر جھکا کر بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔ نعمان نے سر اُٹھا کر بڑی بہن کی طرف دیکھا، جو دسویں جماعت کی ذہین طالبہ تھی اور امتحان قریب ہونے کی وجہ سے دن رات پڑھ رہی تھی۔

”ولی نے کھیلنے سے منع کر دیا۔“ اس نے ناگواری سے کہا۔

”ولی، تمھارا نیا دوست؟“ تانیہ نے یاد کرتے ہوئے کہا تو نعمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”وہ تو بہت اچھا اور تمیزدار بچہ ہے۔ کئی مرتبہ تمھارے ساتھ پڑھنے کے لیے ہمارے گھر بھی آیا ہے پھر آج ایسا کیا ہوا کہ اس نے تمھارے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیا؟“

وہ بہت حیران تھی۔

”مطلبی دوست ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب تک میں اس کے کام آتا رہا وہ میری ہر بات مانتا رہا، مگر پچھلے کئی دنوں سے وہ مجھ سے دور رہتا رہا۔ اسکول میں بھی الگ جگہ پر بیٹھتا، حتیٰ کہ وقفے میں بھی اکیلا چلا جاتا۔“

نعمان نے تفصیل سے بتایا۔ تانیہ غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

”اسی لیے میں منع کرتی ہوں کہ فضول دوستیاں کرنے سے بہتر ہے کہ اپنی پڑھائی پر توجہ دو، مگر یہ میری بات سنتا ہی نہیں۔“

بیگم سعدیہ باورچی خانے سے باہر نکلیں اور بیٹے کو گھور کر دیکھا، جو ماں کی بات سُن کر منہ پھلانے لگا۔

”آپ ہمیشہ مجھے ہی غلط کہتی ہیں۔“

اس نے منہ بسور کر کہا۔

’’تمھارے بھلے کے لیے ہی سمجھاتی ہوں۔ اپنی بڑی بہن سے کچھ سیکھو۔ کتنی محنتی اور لائق ہے، جب کہ تم مشکل سے کام یاب ہوتے ہو۔‘‘

پڑھائی کا ذِکر سنتے ہی وہ بہانے سے اٹھ کر چلا گیا۔ بیگم سعدیہ نے گہری سانس لی، جب کہ تانیہ مسکرادی۔

’’لااُبالی ہے۔ آپ فکر مت کریں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘ وہ ماں کو تسلی دے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

......☆......

’’تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟ اگر میرے ساتھ کھیلنا نہیں تھا تو پہلے بتا دیتے۔ میں کتنی دیر میدان میں تمھارا اِنتظار کرتا رہا۔ تم جھوٹے ہو۔‘‘

اگلے دن اسکول میں ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو نعمان غصے اور بدتمیزی سے ولی سے مخاطب ہوا، جس نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

’’میں تمھارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا، اس لیے کل کھیلنے بھی نہیں آیا۔‘‘

اس نے صاف جواب دیا، جس پر آس پاس کھڑے لڑکے نعمان کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ نعمان غصے میں آ گیا اور ولی سے لڑنے لگا۔ ان دونوں کو لڑتا دیکھ کر کچھ لڑکوں نے کمرۂ اساتذہ میں سر حماد صاحب کو شکایت لگا دِی، جنھوں نے ان دونوں کو فوراً اپنے پاس بلایا اور ساری بات سننے کے بعد نعمان کو سزا کے طور پر کمرۂ جماعت سے باہر کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ نعمان کے لیے یہ بہت تکلیف دہ اور شرمندگی کا باعث تھا۔

’’آئندہ میں اسکول نہیں جاؤں گا۔ سب بچوں کے سامنے میری بہت بے عزتی ہوئی ہے۔ سب ولی کی طرف داری کرتے ہیں۔‘‘

نعمان غصے سے بھرا گھر آیا اور اپنا بستہ صوفے پر پھینکتے ہوئے کہنے لگا۔

’’ایسا کیوں ہے؟ کبھی اس پر غور کیا؟‘‘ تانیہ نے سنجیدگی سے سوال کیا، مگر وہ رونے لگا۔

’’مجھے اس اسکول میں نہیں پڑھنا۔ یہاں سب بُرے ہیں۔ مجھے نئے اسکول میں داخل کروائیں۔‘‘ اس نے ضد کرتے ہوئے کہا تو بیگم سعدیہ پریشان ہو گئیں۔

’’تمھارے بابا ملک سے باہر ہیں۔ اگلے مہینے ان کی واپسی ہے، تب ہی کچھ ہو سکے گا۔ تب تک صبر سے کام لو۔‘‘

انھوں نے نرمی سے سمجھایا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

’’مگر اِسکول بدلنا تو مسئلے کا حل نہیں ہے۔ ضرور نعمان کی بھی غلطی ہوگی۔‘‘ تانیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

’’میرا کیا قصور ہے؟‘‘ اس نے حیرانی سے کہا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

......☆......

بیگم سعدیہ آج کل نعمان کی وجہ سے بہت فکر مند تھیں، جو ضد کر کے اسکول نہیں جا رہا تھا۔

’’اس طرح تو یہ پڑھائی میں سب سے پیچھے رہ جائے گا۔‘‘ ان کی بات سن کر تانیہ بھی پریشان ہو کر بھائی کو سمجھانے لگی، مگر وہ کسی کی نہیں سن رہا تھا۔ ایک دن تانیہ اسکول سے واپس آ رہی تھی تو اُس کی ملاقات ولی سے ہو گئی، جس نے دیکھ کر بااَدب انداز میں سلام کیا۔

’’باجی! نعمان اسکول کیوں نہیں آ رہا؟ سر حماد بھی پوچھ رہے تھے۔ اس طرح وہ سالانہ امتحان میں پیچھے رہ جائے گا۔‘‘

اس کے لہجے میں فکر مندی دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

’’تمھارے بُرے رویے کی وجہ سے نعمان کا دِل ٹوٹ گیا ہے۔ تم نے اس سے لڑائی کی جس پر اُسے سزا ملی اور......‘‘

تانیہ نے کہا تو ولی حیران رہ گیا۔

’’ہمارے درمیان بحث ضرور ہوئی تھی، مگر لڑائی ہمیشہ کی طرح نعمان ہی کرتا ہے۔ شاید آپ کے علم میں نہیں کہ وہ زبان کا بہت سخت ہے، غصے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ میری نعمان سے دور ہونے کی وجہ اس کی سخت کلامی ہے۔‘‘

ولی نے سنجیدگی سے اصل وجہ بتائی کہ کیوں وہ نعمان کے ساتھ

نہیں کھیلتا تھا، کیوں کہ نعمان ہمیشہ بدتمیزی اور سخت زبان کا استعمال کرتا تھا، جو ولی کو بہت بُرا لگتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ نعمان سے دور رہنے لگا، جس پر نعمان یہ سمجھا کہ ولی مطلبی ہے۔ ولی کی بات سن کر تانیہ کو سب سمجھ آ گیا۔ وہ گھر واپس آئی تو نعمان باغ میں کھڑا مالی سے بحث کرتے ہوئے سخت لہجے میں بات کر رہا تھا۔ تانیہ نے بہت غور سے بھائی کی طرف دیکھا اور سمجھ کر سَر ہلایا۔ اتنے میں پڑوس میں گئی ہوئی بیگم سعدیہ بھی واپس آ گئیں۔ ماں کو دیکھ کر نعمان تیزی سے پاس آیا۔ وہ تینوں گھر کے اندر چلے آئے۔

''کل سے تم دوبارہ اسکول جاؤ گے۔ رات کو اپنا بستہ تیار کر لینا۔'' تانیہ نے سخت لہجے میں کہا تو نعمان حیران رہ گیا۔

''مگر وہاں سب بہت بُرے ہیں اور......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''بُرے وہ سب نہیں، بل کہ تمھاری سخت زبان ہے، جو کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔'' تانیہ نے غصے سے کہا تو وہ چونک گیا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' اس نے حیرانی سے کہا۔

''تم ہمیشہ دوسروں کو غلط کہتے رہے ہو، مگر کبھی یہ نہیں سوچا کہ تمھاری زبان دو دھاری تلوار بن کر دُوسروں کو کتنی تکلیف پہنچاتی ہے۔ کیا وہ حدیث بھول گئے جو بابا نے کئی بار ہمیں سنائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''انسان جب صبح کرتا ہے تو اُس کے سارے اعضا زبان سے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

'تُو ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈر، اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ اگر تُو سیدھی رہی تو ہم سب بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تُو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔'

(ترمذی۔ 2407)

تانیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ نعمان نے حیرانی سے اس کی بات سنی اور سَر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ کتنی بار اُس نے ولی سے بدکلامی کی، اس کا دل دکھایا، تب ہی وہ اس سے دور رہنے لگا۔ نعمان کو ایسے کئی دوست، ہم جماعت، محلے والے یاد آنے لگے جو اُس کی زبان کی تیزی کی وجہ سے دور ہو گئے تھے۔

''میں کیا کروں؟ مجھے غصے میں پتا نہیں چلتا کہ کس سے کس طرح بات کرنی ہے؟'' اس نے شرمندگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

''کوشش کرو کہ اپنے غصے پر قابو پا سکو، ورنہ زندگی میں سب سے دور اور ناکام رہو گے۔''

بیگم سعدیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ اگلے دن نعمان اسکول گیا اور سب سے پہلے ولی سے گلے مل کر اپنے بُرے رویے پر معذرت کی۔ ولی بہت حیران ہوا، مگر نعمان کو اِتنے دنوں کے بعد دیکھ کر بہت خوش بھی ہوا۔ نعمان کا استقبال سب نے گرم جوشی سے کیا۔ نعمان کو پہلی مرتبہ اِحساس ہوا کہ وہ سب بُرے اور غلط نہیں تھے۔ غلط اس کی منفی سوچ تھی، جس نے ہر مخلص رشتے سے اسے دور کر دیا تھا۔ بہت جلد ہی نعمان نے اپنی زبان کی تیزی کو کم کر کے ولی جیسے اور بھی بہترین دوست اپنی زندگی میں شامل کر لیے۔

بقیہ: فیصلہ

''دیکھو بیٹا! سب سے بہتر اِنسان وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے اور اُس کے بندوں کے حقوق بھی پورے کرے، دونوں میں کوتاہی نہ کرے، کیوں کہ یہ دونوں چیزیں مل کر اِنسان کو مکمل اور خوب صورت بناتی ہیں اور ایسا انسان نہ صرف اپنی ذات کے لیے، بل کہ معاشرے کے لیے بھی مفید ہوتا ہے۔''

بیٹا! آپ اپنا فائدہ نہیں، جماعت کا فائدہ دیکھو۔ یہ دیکھو کہ کون جماعت کے لیے مفید ہے۔

''جزاک اللہ، امی! آپ نے میرے لیے فیصلہ کرنا آسان کر دیا ہے۔''

''جی امی! آپ نے ٹھیک کہا۔ وہ ہمیشہ سب کی مدد کرتا ہے۔ ہوم ورک میں بھی اور اگر کسی کے پاس لنچ کے پیسے نہ ہوں تو اُنھیں اپنا لنچ دے دیتا ہے۔ ہمیشہ سچ بولتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور سب سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ اسے باقی جماعتوں کے بچے بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ خود بھی صاف ستھرا رہتا ہے اور جماعت کو بھی صاف رکھتا ہے۔ آپ کو پتا ہے امی! ہماری جماعت سجانے کے لیے اچھے اچھے پوسٹر بھی بناتا ہے۔''

بلاعنوان (۲۰۱) شمارہ مئی ۲۰۲۴ء کے بہترین عنوان ارسال کرنے والے تین قارئین

اول: ''تربیت کا اثر''، محمد مصطفیٰ بن نور محمد۔کراچی **دوم:** ''دوست ہو تو ایسا''، حافظ محمد اشرف۔حاصل پور **سوم:** ''ننھا بر ہان کیسے بدلا؟''، حمزہ طلحہ۔کراچی

اچھے عنوانات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: مریم آصف، محمد مصطفیٰ، محمد خضر بن ذیشان، عبدالرحمٰن بن ذیشان، ارقم بن ذیشان، محمد معاویہ باڑی، محمد یوسف بن محمد امجد، محمد داود ابراہیم، محمد حمزہ اویس۔

حیدرآباد: خنساء محمد جاوید۔**حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔**بورے والا:** محمد عثمان ارشاد۔**راول پنڈی:** اقرا نور۔

ذوق معلومات ۹۹ شمارہ مئی ۲۰۲۴ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆محمد معاویہ باڑی۔☆عبداللہ ناصر۔**راول پنڈی:** ☆ملک محمد احسن۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: اشتیاق احمد۔**کوہاٹ:** عامر اعجاز۔

تعلیمی کھیل (۶) شمارہ مئی ۲۰۲۴ء کے تین انعام یافتہ قارئین

کراچی: ☆عبدالمنان۔☆محمد یوسف۔☆محمد معاویہ باڑی۔

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: زینب راحیل، محمد حمزہ اویس، عائشہ بنت محمد حسین، محمد احمد بن محمد شہزاد، محمد معاویہ باڑی، حمنہ ابراہیم، محمد رحمانی، محمد بن محمد آصف، محمد یوسف بن محمد امجد، محمد یمان بن شاہد حسین، محمد احمد عامر، عبدالرحمٰن بن ذیشان، محمد خضر بن ذیشان، ارقم بن ذیشان۔**حیدرآباد:** خنساء محمد جاوید۔**نوشہرو فیروز:** محمد عمر فُل۔

حاصل پور: حافظ محمد اشرف۔**راول پنڈی:** شفق نور۔

سوال آدھا جواب آدھا (۵۶) شمارہ مئی ۲۰۲۴ء کے تین انعام یافتہ قارئین

نوشہرو فیروز: ☆محمد عمر فُل۔**حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔

درست جوابات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: آمنہ آصف، محمد یوسف بن محمد امجد، لبابہ ابراہیم دہلوی۔**راول پنڈی:** ملک شاہ زیب احمد۔

انعامی سرورق شمارہ مئی ۲۰۲۴ء کا ایک انعام یافتہ قاری

حاصل پور: حافظ محمد اشرف۔عنوان: ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

درست جوابات ارسال کرنے والے دیگر قارئین

کراچی: اسما آصف، ماذن راحیل، محمد حمزہ اویس، محمد مصطفیٰ بن محمد عمر، محمد خضر بن ذیشان، محمد رحمانی، محمد معاویہ باڑی، ارقم بن ذیشان، محمد مجیب بن بخت محمد، زکریا ابراہیم، عبدالرحمٰن بن ذیشان، محمد یوسف بن محمد امجد۔**حیدرآباد:** خنساء محمد جاوید۔**نوشہروفیروز:** محمد عمر فُل۔**حاصل پور:** حافظ محمد اشرف۔**راول پنڈی:** انعمت نور۔

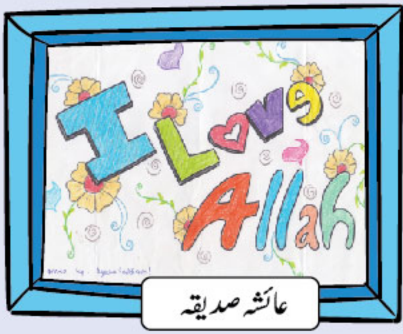

عائشہ صدیقہ

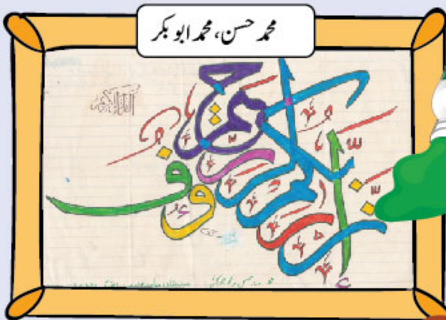

محمد حسن، محمد ابو بکر

حافظہ بریرہ عبد الرحمٰن

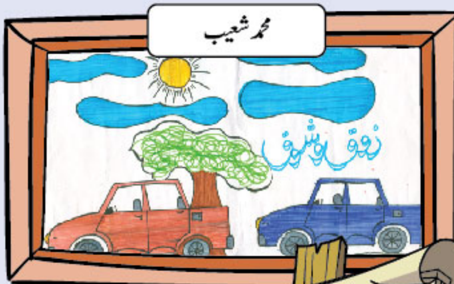

محمد شعیب

فاطمہ حبیب آصف

کوپن برائے
بلاعنوان ۲۰۳

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۱۰۱

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

سوال آدھا جواب آدھا ۵۷

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

تعلیمی کھیل ۸

نام: ____________ ولدیت: ____________

مکمل پتا: ____________

فون نمبر: ____________

ہدایات: جوابات ۳۱، جولائی ۲۰۲۴ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

اب ہوا آسان......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہ نامہ ذوق وشوق کی سالانہ ممبر شپ مع رجسٹری ڈاک خرچ =/2500 روپے ہے۔ اگر آپ اکٹھی رقم جمع کروانے سے قاصر ہیں تو ہم لائے ہیں آپ کے لیے ایک بڑھیا پیش کش۔ اب رسالہ حاصل کرنا ہوا آسان......

اگر آپ کی جیب اجازت نہیں دے رہی ہو تو اب آپ چھے ماہ کی ممبر شپ بھی حاصل کر سکتے ہیں، جو کہ =/1250 روپے ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور پیش کش بھی......

آپ چھے ماہ کی ممبر شپ بھی حاصل نہیں کر سکتے تو صرف ہر ماہ کا شمارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ فی شمارہ =/180 روپے کا اور =/40 روپے ڈاک خرچ کے۔ مجموعی رقم =/220 روپے جمع کروادیں۔ یہ طریقہ زیادہ آسان ہے۔

(کسی بھی قسم کے اضافی چارجز شامل نہیں ہیں۔)

طریقہ کار: ادارے کے نمبر (0300-2229899) پر یا نگران ترسیل صاحب کے نمبر (0309-2228120) پر جس نام سے رسالہ جاری کروانا ہے وہ بتادیں، مکمل ڈاک پتا اور رابطہ نمبر عنایت کر دیجیے، ہم آپ کو رسالہ بھیج دیں گے، ان شاء اللہ!

رسالہ لگوانے کے لیے آپ رقم تین ذرائع سے جمع کرواسکتے ہیں:

❶ دستی: دفتر میں آکر رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا پتا ہے: ماہ نامہ ذوق وشوق، کراچی۔ ماتحت مدرسہ بیت العلم، ST-9E، نزد الحمد مسجد، گلشن اقبال، بلاک ۸، کراچی۔ (نوٹ: دستی رقم جمع کرواتے وقت سالانہ ممبر شپ فارم ضرور حاصل کریں۔)

❷ بینک اکاؤنٹ کے ذریعے: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے لیے ہمارا بینک اکاؤنٹ ہے: میزان بینک

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456 اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm Charitable Trust Zouq o Shouq

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

❸ جاز کیش نمبر: 0320-1292426

(نوٹ: جاز کیش میں رقم جمع کروانے کی رسید آپ ہمیں اس نمبر (0300-2229899) پر واٹس ایپ کر دیں۔)

Registered NO. M. C. 1241 ذوق شوق